دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ

(۱) ملفوظات حضرت تھانوی ۷،
ص 30 تا 45

الحق

ماہنامہ

زیر سرپرستی: شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق بانی و مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور (مغربی

لہ دعوۃ الحق

قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

جلد نمبر : ۴
شمارہ نمبر : ۱۰

ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ
جولائی ۱۹۶۹ء

مدیر
سمیع الحق

اس شمارے میں

نقشِ آغاز (چاند کی تسخیر)	سمیع الحق	۲
عمل حرام کا وبال (اسلامی معیشت کا ایک پہلو)	شیخ الحدیث مولانا عبد الحق مدظلہ	۱۱
محمد الرسول اللہ بحیثیت داعی الی اللہ	مولانا محمد میاں صاحب - دہلی	۱۸
سیدنا حاجی امداد اللہ کے علوم و معارف	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی	۲۴
مدنی شیخ کی مجلس میں (ملفوظات)	شیخ عبد الغفور العباسی المدنی مہاجر مدینہ	۳۰
شاہ محمد اسماعیل شہید	مولانا سعید الرحمان علوی	۳۷
آہ شیخ الشیوخ العباسی المدنی	مولانا غلام محمد صاحب بی اے	۴۵
وحدت و امامت کلمہ طیبہ کی روشنی میں	ڈاکٹر غلام صابر قریشی - کراچی	۵۰
احکام و مسائل (ٹیلی ویژن)	شیخ الحدیث مولانا عبد الحق مدظلہ	۵۵
افکار و تاثرات	قارئین	۵۶
تبصرہ کتب	ادارہ	۶۱

بدل اشتراک

مغربی پاکستان سالانہ چھ روپے ، فی پرچہ ۶۰ پیسے
مشرقی پاکستان سالانہ بذریعہ ہوائی ڈاک آٹھ روپے ، فی پرچہ ۷۵ پیسے
غیر ممالک سالانہ ایک پونڈ

سمیع الحق استاد دار العلوم حقانیہ طابع وناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

چاند کی تسخیر

سائنس کی دنیا میں پچھلے چند سالوں سے خلائی فتوحات کا غلغلہ ہے، امریکی خلائی جہاز اپالو ۱۱ کے حالیہ تجربہ اور ۲۰ر جولائی کو چاند پر انسان اتارنے کے پروگرام سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہماری اس وسیع کائنات کا حسین ترین سیارہ چاند انسانی قدموں کے زیر ہوا چاہتا ہے، مذہب اور سائنس کے دائرہ کار اور حدود سے لاعلمی طبعیاتی علوم میں ناپختگی اور مذہب سے دوری یا کم علمی کی وجہ سے ان خلائی کارناموں نے بہت سے مسلمانوں کو احساس کمتری، مرعوبیت اور شکوک و شبہات میں ڈال دیا ہے، آج کی فرصت میں اسلامی نقطۂ نظر سے اس مسئلہ پر کچھ اصولی روشنی ڈالی جاتی ہے ——— مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ یہ پورا کارخانۂ عالم اپنی تخلیق وبقاء اور اپنا تسلسل قائم رکھنے میں کسی بے جان مادہ، انرجی، نامعلوم الیکٹرون یا سلسلۂ علت و معلول کا منت پذیر نہیں، بلکہ یہ نہایت منظم اور پرحکمت کائنات ایک حی و قیوم اور حکیم و علیم صانع کی کرشمہ سازی ہے، انسانی فطرت کی اس بارہ میں جو تجسس اور بے چینی ہے، اس بے چینی کا یہی ایک سیدھا سادا اور قابل تسلیم جواب ہے۔ اس ازلی اور ابدی حقیقت کو چھوڑ کر عقلاء اور فلاسفۂ قدیم یا عصر حاضر کے ماہرین طبعیات اور سائنسدانوں نے جو بھی راستہ اختیار کیا وہ ایک ایسی سرحد پر ختم ہو کر رہا جہاں انہیں حیرت و اضطراب فکری انتشار، تضاد بیانی اور بالآخر عجز و درماندگی کے اعتراف کے سوا اور کچھ نہ مل سکا ——— پھر یہ کائنات صرف وہی کچھ نہیں جو اب تک ہمارے علم و ادراک اور مشاہدات کی گرفت میں آچکا ہے۔ بلکہ خداوند قدوس کی خدائی کی کوئی انتہا ہی نہیں۔ موجودہ سائنس کو اپنی تحقیق اور تجربات کی رو سے اعتراف ہے کہ علویات اور سفلیات کا جتنا حصہ ہمارے علم و مشاہدہ میں آچکا ہے، وہ اس لامحدود کائنات کا کروڑواں حصہ بھی نہیں جو اب تک ہماری نگاہ درماندہ سے مستور ہے۔ مذہب نے اپنے آخری

رسول کی زبانی کائنات کی ان لامحدود وسعتوں کا اعلان کیا تو بندگان عقل اور غلامان مشاہدہ کو تردد رہا مگر آج کے سائنسدانوں نے خالق کائنات کی تخلیقی عظمتوں پر اپنے اس قسم کے اعترافات سے منکر سے منکر انسان کا بھی سر تسلیم خم کرا دیا۔ اور مذہب کی تائید و تصدیق کا بھی وہ کام ہے جو خداوند کریم آج سائنس سے لے رہا ہے۔ اس کائنات کی وسعتوں کا کیا حال ہے۔۔؟ اس کے جواب میں بطور مثال ہم صرف چند چیزیں پیش کرتے ہیں، کائنات کی وسعت کے بارہ میں یہ بھی صرف چند قیاسی اور ظنی تخمینے ہیں ورنہ حقیقت اس سے بھی بڑھ کر ہے ۔۔۔ صرف ستاروں کو لیجئے جو اس وسیع کائنات کا صرف ایک جزء اور ایک حصہ ہے۔ ورلڈ اٹیلس کی تحقیق کے مطابق اگر رات کو مطلع صاف ہو تو ۵ ہزار تارے نظر آتے ہیں، ہلکی دوربین سے کئی ہزار تو بڑی دوربینوں سے کروڑوں اور امریکہ کے بڑے رصدگاہ ماؤنٹ پالومر سے اربوں نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر ٹنڈل نے جغرافیہ عالم میں خوردبینوں سے نظر آنے والے ان تاروں کی تعداد سات ارب بتلائی ہے، مگر بعض علماء فلکیات کا خیال ہے کہ ان ستاروں کی تعداد دنیا بھر کے سمندروں کے کنارے ریت کے ذرات سے بھی بڑھ کر ہے، پھر ان میں سے بعض تارے تو حجم میں اتنے بڑے ہیں کہ بعض میں لاکھوں اور بعض میں اربوں زمینیں سما سکتی ہیں، پھر ان ستاروں کے درمیانی مسافت اور کرۂ ارض سے فاصلہ کا کیا عالم ہے، انہی سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ چاند ہماری زمین سے اڑھائی لاکھ میل سورج ساڑھے نو کروڑ اور زہرہ ساڑھے تیرہ کروڑ میل دور ہے، ان سیاروں میں بعید ترین سیارہ پلوٹو ہے جو ساڑھے سات ارب میل کے دائرہ میں چکر لگا رہا ہے، پھر یہ کائنات ستاروں کی لاتعداد کہکشانوں کی صورت میں حرکت کر رہی ہے اور ہمارے شمسی نظام کا قریب ترین کہکشاں اپنے محور پہ گردش کرتے ہوئے ایک دور بیس کروڑ سال میں پورا کرتی ہے پوری کائنات کی پیمائش کے لئے بعض سائنسدانوں کے خیال میں ۸۸ ارب سال اور بعض کی رائے میں ایک ارب سال کا عرصہ درکار ہے۔ جبکہ اس عرصہ میں ہماری تحقیق و انکشاف کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ رہے۔ اس پر بس نہیں بلکہ ہر لمحہ اس کائنات میں چاروں طرف اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس پھیلنے کی رفتار آئن سٹائن کے خیال میں اتنی تیز ہے کہ ہر ۱۳۰ کروڑ سال بعد کائنات کی مقدار دگنی ہو جاتی ہے، اور یہ جو روشنی ستاروں سے چھوٹ چھوٹ کر ہماری نگاہوں کو خیرہ کرتی رہتی ہے وہ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے آرہی ہے مگر بہت سے ستارے ایسے ہیں جن کی روشنی اس تیزی

اور سرعت کے باوجود ابتدائے آفرینش سے لیکر اب تک ہماری زمین تک پہنچ بھی نہیں سکی۔ یہی وہ چیز ہے۔ جو اس کائنات کی وسعت کی صحیح تعبیر اسکی بے حساب حکمتوں اور اس کے صحیح اندازہ کے بارہ میں انسان کو مجبور و بے بس بنا کر اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور کر دیتی ہے جسے خداوند کائنات نے ان الفاظ میں تعبیر فرمایا:

ولو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام	اگر زمین کے تمام درخت قلم ہوں اور موجودہ سمندروں
والبحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر	کے ساتھ سات اور ایسے سمندر بھی سیاہی بن جائیں
ما نفدت کلمات اللّٰہ ۔	جب بھی خدا کی تخلیق کارفرمائیوں اور حکمتوں کی باتیں ختم نہ ہو سکیں گی ۔

....

اور یہی وہ صداقت ہے جسے قرآن نے وما یعلم جنود ربک الا ھو (اور نہیں جانتا تیرے رب کے لشکروں کو مگر وہی) اور وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔ (اور نہیں دیا گیا تمہیں مگر تھوڑا سا علم) سے اشارہ فرمایا ہے۔

یہ حالت تو صرف اس عالم کی ہے جسے ہم مادیات اور عناصر و محسوسات کی دنیا سے تعبیر کر سکتے ہیں یہاں ایک اور عالم بھی ہے جو نگاہوں کی دسترس سے بالا اور عقل و خرد کی ترکتازیوں سے وراء الوراء ہے جسے "عالم غیب" سے موسوم کرتے ہیں اور جس کے لئے یہ ساری ظاہری کائنات ایک وسیلہ اور خادم ہے اسکی وسعتوں اور گہرائیوں کے سامنے تو یہ پوری مادی کائنات بھی ایک ذرہ بے مقدار کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس کے حصول اور جسکی تعمیر و آرائش کے لئے انبیاء کرام آتے رہے اور اُن ابدی حقیقتوں کی تلقین کرتے رہے جن پر ہماری دائمی کامیابی اور حیات جاودانی کا دارومدار ہے۔

دوسری اہم بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اس پورے عالم آب و گل کو اس کے خالق نے بے مقصد اور سعی لاحاصل قرار نہیں دیا بلکہ زمین میں اپنے خلیفہ "حضرت انسان" کو اوّل روز سے علمی قوتوں سے مالا مال کیا۔ (وعلّم آدم الاسماء کلھا۔) اور بار بار اس کائنات میں غور و فکر اور تدبّر کرنے اس کی حکمتوں کو سمجھنے، اس کے لامحدود خزانوں سے فائدہ اٹھا کر اسے عالم آخرت کیلئے زیادہ سے زیادہ کارآمد بنانے کی مسلسل دعوت دیتا چلا آرہا ہے اور بار بار اعلان کرتا ہے کہ عرش سے

لیکر فرش تک سب کچھ تمہارے لئے پیدا کیا گیا کہ تم اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ اور اس کے ذرہ ذرہ کو خالقِ کائنات کی پہچان اور اسکی عظمتوں کے اعتراف کا ذریعہ بنا دو، اس کے چپہ چپہ میں تمہارے لئے عبرت و نصیحت کے دفتر پنہاں ہیں اس کا ذرہ ذرہ تمہارے لئے راحت اور سامانِ تعیش کا ایک گنجِ گرانمایہ اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ یہ شمس و قمر یہ بحر و بر سب کچھ تمہارے لئے ہے اور یہ اس رب کریم کی نہایت کرم نوازی ہے کہ تمہارے اوپر ظاہری و باطنی نعمتوں کی اتنی بارش برسا تا ہے۔ جسے تم قیامت تک حساب بھی نہ کر سکو۔ یہی نہیں بلکہ خلق و فقد تخلیق اور ایجاد کے اس عمل میں ہر لحظہ ترقی تسلسل اور اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔ ویخلق مالا تعلمون۔ اور یہ سب کچھ اس لئے کہ تم اس کی دی ہوئی نعمتوں سے خوب خوب فائدہ اٹھا کر اسکی عظمتوں میں ڈوب جاؤ، سراپا عبدیت اور بندگی بن جاؤ اور تمہارا رُواں رُواں اس کائنات میں تمہارے اشرف المخلوقات ہونے کی ایک واضح نشانی بن جائے۔

ثم تذکروا نعمۃ ربکم اذا استویتم علیہ	پھر جب اس پر تمہارا تسلط ہو جائے تو اپنے رب کا
وتقولوا سبحان الذی سخر لنا ھذا	احسان یاد کرو اور کہو کہ پاک ذات ہے وہ جس
وما کنا لہ مقرنین وانا الی ربنا	نے اسکو ہمارے بس میں کر دیا۔ بیشک ہمیں اپنے
لمنقلبون۔	رب کیطرف لوٹ کر جانا ہے۔

اسی مقصد کے لئے قرآن کریم مادیات کی تسخیر کے ساتھ ساتھ کہیں لعلکم تشکرون (تاکہ تم شکر کرو) کا اور کہیں لتکبروا اللہ علی ما ھداکم (تاکہ تم اللہ کی بزرگی بیان کرو کہ اس نے تمہیں ان چیزوں کی ہدایت دی) جیسے کلمات ذکر کرتا ہے۔

اس وسیع کائنات کا صرف انسان کے لئے بنایا جانا اور اس میں تسخیر اور غلبہ کی لامحدود قوتیں ودیعت فرمانا اور اول تا آخر غور و تدبّر کی دعوت دینا خود بخود اس حقیقت کی غمازی کر رہا ہے کہ موجودہ سائنس کا مقصد اگر عناصر اربعہ کے باہمی تحلیل و ترکیب اور عناصر علوی و سفلی کے باہمی ربط و تعلق سے پردہ ہٹا کر انسان کیلئے اس سے استفادہ کرنے کی نئی نئی راہیں نکالنا ہے۔ تو ایک سچے اور صحیح مذہب کے کسی گوشہ اور پہلو پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ مذہب کا براہ راست تعلق ایک دوسرے عالم سے ہے جو اس کائنات کے آغاز و انجام کی گتھیاں سلجھاتا اور ہدایت و صلاح کے طریقے سمجھاتا ہے اور اس پوری کائنات کا مقصد تخلیق بتلاتا ہے۔ مذہب کی حدود فرمانروائی وہاں سے شروع ہوتی ہیں جہاں

سائنس اور فلسفہ کی مملکت ختم اور اسکی قوت پرواز جواب دیدیتی ہے، دوسرے الفاظ میں سائنس اور طبعیات کا تعلق صرف عالم آب و گل اور کثیف عناصر سے ہے، خواہ اس کا ظہور کرۂ ارضی کی شکل میں ہو یا چاند اور سورج کی شکل میں، مگر مذہب کا دائرہ کار اور تعلق روحانیات اور الٰہیات ہیں وہ ہمیں انسان کے گھر سے مسائل فطری حقائق نوامیس خداوندی آخرت حساب و کتاب، اور قانونِ مکافات عمل زندگی کے انجام اور توحید و رسالت جیسے لطیف اور باقی و پائدار امور سے واقف کراتا ہے۔ اوّل الذکر کے اصول و مبادی ہر وقت تغیر پذیر ہیں اس کی تحقیق و انکشاف پر مبنی نتائج میں ہر لحظہ ترمیم و تبدیلی ہو سکتی ہے۔ جبکہ مذہب کے اصول و مبادی اٹل اس کی سچائیاں ابدی اور اس کے علوم و نظریات کی صداقت لافانی اور ہر زمانہ اور ہر دور کیلئے ایک چیلنج ہوتی ہے۔ ایک کا سرچشمہ خدائے حی و قیوم کی دی ہوئی روشنی وحی اور نبوت ہے دوسرے کا مبلغ علم، عقل خام اور فہم ناقص۔ ع این الثریا واین الثریٰ۔ پس زمین پر چلنے والے چوپایوں کا ہوا میں اڑنے والے پرندوں سے اور کسی ریل گاڑی کا سمندری جہاز سے تصادم اتنا تعجب خیز نہیں ہوسکتی کہ یہ رائے قائم کرلینا کہ مذہب اور سائنس میں تصادم ہو سکتا ہے۔ اگر سائنس کی کوئی بات مشاہدہ صحیح اور عقل سلیم پر مبنی ہے تو ناممکن ہے کہ مذہب کے کسی اصول سے اس کا ٹکراؤ ہو اگر ایسی صورتحال کہیں پیدا ہوجائے تو وہ درحقیقت عقل کی ٹھوکر کا نتیجہ ہوگا۔ حقائق اشیاء کے ادراک میں ہمارے علم و فہم سے لغزش ہوئی ہوگی یا پھر ایک ایسی بات کا رشتہ ہم نے مذہب سے ملادیا ہوگا جو نہ تو کسی صحیح سند اور مضبوط استدلال اور نقل صحیح پر مبنی ہوگا۔ اور نہ اس کا رشتہ درحقیقت مذہب کی اوّلین تعلیمات سے ملا ہوگا ۔۔۔۔۔
اور یہ اس لئے کہ جسطرح ایک سچا مشاہدہ اور علمی دریافت قابلِ تسلیم ہے تو کسی قطعی اور متواتر دلیل پر مبنی مذہب کا کوئی اصول اس سے ہزار درجہ ناقابل تردید اور واجب التسلیم ہے، دونوں میں تعارض ناممکن ہے دونوں کا دائرہ کار الگ الگ اور دونوں کی حدودِ اختیار جدا جدا ہیں ۔۔۔۔

تیسری قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ انبیاء کرامؑ کی بعثت اور آسمانی تعلیمات وحی و رسالت کا اوّلین مقصد صرف اور صرف انسانیت کی ہدایت اور راہنمائی ہوتی ہے۔ نبی کی تعلیمات کا محور سچائی کی تلقین بھلائی کی ہدایت خلق کا خالق سے رشتہ ملانا، خدا کی دی ہوئی زندگی اور اس کائنات کا صحیح مصرف اور محل میں استعمال کرانا اور اس زندگی کو حیات جاودانی کا ذریعہ بنانا ہوتا ہے، وہ اگر آیات آفاقی و انفسی سے بحث کرتا ہے تو صرف اس لئے کہ اسے ذات وحدہٗ لاشریک کی پہچان کا ذریعہ بنایا جائے وہ عالم آخرت اور حیات بعد الموت کا ذکر چھیڑتا ہے تو سائنسی استدلال

اور منطقی مقدمات سے اسے ثابت نہیں کرتا بلکہ روزمرہ مشاہدہ میں آنے والے تکوینی امور و حقائق کی طرف توجہ دلا کر پوچھنا چاہتا ہے کہ اگر یہ سب کچھ ممکن ہے تو مرنے کے بعد دوسری زندگی اور نبوت کی دیگر تعلیمات ماننے میں کیا استبعاد ہے۔؟ یا پھر صرف اس حد تک انہیں بیان کرتا ہے۔ کہ کسی شرعی مسئلہ اور بندگی کے کسی طور طریقہ اور اس کے وقت اور مقدار سے اس کا تعلق ہو اصلاً یہ تعلیمات تعلیمات ہدایت ہوتی ہیں۔ حقائق اشیاء اور عناصر کی کنہ و ماہیت سے بحث کرنا اس کا موضوع نہیں ہوتا، چاند کے بارہ میں بار بار پوچھا گیا تو صرف یہی کہا گیا کہ قل ھی مواقیت للناس والحج۔ کہ یہ تو حج اور دیگر امور کے اوقات کی نشاندہی کرتا ہے۔ آگے اسکی ماہیت اور حقیقت زمین سے اسکی مسافت اور اس کے قابلِ تسخیر ہونے یا نہ ہونے سے سکوت کیا گیا کہ وہ تو ہدایت کی کتاب تھی، کیمیا نجوم، رمل اور ریاضی کی نہیں۔ الغرض جن مسائل کا تعلق عالم غیب سے نہ تھا انہیں انسانی علم و فہم پر چھوڑ دیا گیا کہ یہ چیز بھی خدا کی دی ہوئی تھی، اور یہ اس لئے کہ نہ تو ایسے مسائل پر مذہب کا اثبات موقوف تھا اور نہ مذہب ان مسائل سے انکار پر مجبور کرتا تھا۔ پس اگر آج کوئی شخص علماءِ طبعیات کے کسی کارنامہ سے مرعوب ہو کر دین سے انکار یا اس کا استخفاف کرتا ہے۔ تو وہ اتنا ہی قابلِ مذمت ہے جتنا کہ وہ شخص جو ہر نئی دریافت اور مادی انکشاف کو اسلام سے متصادم سمجھ کر اس کے ماننے سے انکار کر بیٹھے دونوں راہیں غلط اور عقلی بے مائگی کی علامت ہیں۔

اس تفصیل کی روشنی میں چاند اور ستاروں کی تسخیر کا مسئلہ لیجیے ___ بلاشبہ قرآن و حدیث نے اس کے وقوع پذیر ہونے کی صاف صریح اور محکم الفاظ میں نشاندہی نہیں کی کہ نہ تو یہ چیز اس کے موضوع میں داخل تھی اور نہ چودہ سو سال بعد تحقیق اور مشاہدہ پر مبنی کو دریافت کی تمام تفصیلات اُس وقت کے اذہان کے لئے قابل فہم تھیں[1] ___ مگر کیا اسلام نے ان فتوحات کے متحقق اور وقوع ہونے کی نفی بھی کی ہے۔؟ اسلامی تعلیمات اور کتاب و سنت کی تصریحات میں ہمیں کوئی بھی ایسی چیز نہیں مل سکتی جن سے ان چیزوں کی نفی ہوتی ہو یا اب تک کسی ثابت شدہ تحقیق سے اسکی

---

[1] یہاں واضح اور غیر مبہم اخبار و اطلاع کی نفی ہے ورنہ علامات ساعت کے ضمن میں ایسی بہت سی چیزیں ہیں جنہیں تاویل کے درجہ میں عصری ایجادات کے لئے پیشگوئی قرار دیا جا سکتا ہے مگر اس کی تعبیر میں اُس وقت کی مخاطب دنیا کا لحاظ رکھا گیا۔ اور جو دن کے اجالے کی طرح ایک ایک کر کے دنیا کے سامنے اس صادق و مصدوقؐ کی صداقت کی گواہی دے رہی ہیں۔ "س"

تغلیط ہوتی ہو چاند اور سورج یا دیگر سیاروں کا کسی خاص آسمان کیطرف نسبت یا آسمانوں میں اس کا جڑنا اور اس قسم کے کئی امور کے بارہ میں جو متضاد آراء اور مختلف نظریات مشہور ہیں وہ سب کے سب فلسفۂ یونان رومی علم الافلاک یا بطلیموسی علم ہیئت یا پھر اسرائیلی روایات بلکہ خود اب تک کے سائنسدانوں کے متضاد اقوال پر مبنی ہیں۔ صدیوں تک ان افکار و نظریات کا غلغلہ رہا اور مسلمانوں کے دو ایک مفسرین نے بھی اس سے متاثر ہو کر ان کا رشتہ تاویل کے طور پر کسی آیت سے جوڑ دیا، تفسیر محکم کے طور پر ہرگز نہیں پھر ان تفاسیر میں اگر بطلیموس اور فیثا غورث کی تحقیقات پر مبنی اقوال مل سکتے ہیں تو دوسری طرف عبد اللہؓ بن عباس جیسے حبر الامت صحابی اور عطاء بن ابی رباح جیسے ثقہ تابعی کے اقوال و روایات بھی موجود ہیں جن سے عصر حاضر کی موجودہ تحقیقات کی تائید ہو رہی ہے۔ ان حضرات کی روایات میں تصریح پائی جاتی ہے کہ نظام فلکی کے تمام سیارے شمس و قمر زہرہ اور عطارد سمیت آسمانوں کے نیچے لٹکے ہوئے فانوسوں کی مانند ہیں، یہاں تک کہ جن چیزوں کی تعبیر موجودہ اصطلاح میں مرکز ثقل، کشش اور مدار میں گردش وغیرہ سے کی جاتی ہے۔ ان روایات میں انہیں نور کی زنجیروں، ڈھکی ہوئی موج، جذب اور مدار وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے جو لوگ چاند اور ستاروں کو اسرائیلی روایات یا اپنی تاویلات کے بل بوتے پر آسمانوں کے اوپر یا انکے بیچ میں انگوٹھی میں ہیرے اور تختی میں میخ کی مانند جڑا ہوا ثابت کرنا چاہتا ہے۔ محقق علماء اور مفسرین نے ان کی تردید کی ہے، اور ان تاویلات کو بے دلیل اور ناقابل اعتماد قرار دیا ہے۔ لا یعول علیھا۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو روح المعانی (ج ۱۷ - ۱۸ - ۳۰) اور دیگر تفاسیر ــــ قرآن کریم کی ظاہری عبارت اور سیاق و سباق بھی اس کی تائید کرتی ہے اور وہ آسمان کو ایک محفوظ چھت قرار دیکر اس چھت کو ستاروں سے روشن کرنے کا احسان جتلاتا ہے ــــ رہا آسمانوں کا وجود تو بیشک قرآن و سنت بار بار اسے ایک حقیقت ثابتہ کے طور پر ذکر کرتا ہے۔ ان کا وجود ان کا تعدد ان کا ذی جرم ہونا ان میں دروازوں اور گذرگاہوں کا پایا جانا اور مختلف منازل اور برجوں پر ان کا تقسیم ہونا یہ سب کچھ صاف اور صریح الفاظ میں موجود ہے۔ مگر کائنات کی ان لامحدود وسعتوں کے ہوتے ہوئے (جنہیں اجمالاً اشارہ کیا جا چکا ہے۔) کائنات کی ایک حقیر مقدار اور معمولی ذرہ کے برابر چاند اور سورج کی صورت میں کسی سیارہ تک رسائی ہو جانے سے یہ دعوٰی کرنا کہ آسمانوں کا وجود ہی نہیں علم و فہم اور عقل و خرد کی تضحیک اور رسوائی نہیں تو اور کیا ہے، کنوئیں کے مینڈک کی مثال شاید ایسے لوگوں سے بڑھ کر کسی اور پر کبھی صادق نہ آئی ہو۔ حال ہی میں ایک تازہ بیان کسی سائنسدان کا نظر

سے گذرا تھا کہ دور دراز سیاروں سے آگے ایک لامحدود خلا ہے جس کو پاٹنے کا کوئی امکان نہیں۔

الغرض ایک چاند تو کیا تمام سیارے بھی ہماری کمند میں آجائیں تو کسی اسلامی تحقیق اور آسمانوں کے وجود کے بارہ میں اسلام کے کسی دعویٰ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ کائنات کی ان لامحدود وسعتوں میں غیر اقوام کی ترکتازیوں کو دیکھ کر یورپ کی ذہنی غلامی میں مبتلا بہت سے لوگ اس میدان میں مسلمانوں کی پسماندگی کا الزام بیچارے اسلام کے سر پر تھوپنا چاہتے ہیں، حالانکہ یہ خود اس طبقہ کی ذہنی پستی اور فکری غلامی کا نتیجہ ہے جسے وہ بڑی عیاری اور چالاکی سے اب اس اسلام کے سر مونڈھنا چاہتے ہیں جس کے ساتھ وہ اپنا ذہنی و فکری اور عملی رشتہ صدیاں ہوئیں کاٹ چکا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسلام نے سائنسی اور مادی ترقی اور تسخیری کوششوں سے ہمیں کب روکا تھا۔؟ اسلام کی ترجمانی کرنے والے علماء راسخین نے کب آپ کا ہاتھ روکا ہے۔؟ اسلام تو ان بے مایہ ادیان اور مذاہب عیسائیت اور پاپائیت جیسا نہ تھا کہ ان میں عصری تقاضوں اور سائنسی انقلاب کا سامنا کرنے کی تاب نہ تھی، اور یورپی اقوام کو سائنسی انقلاب کیلئے اپنے مذہب کے ہاتھوں آگ اور خون کے طوفانوں سے گذرنا پڑا۔ بلکہ وہ تو ہر دور کے چیلنج کا مجسمہ جواب رہا اور قیامت تک رہے گا۔ پھر کیا ایک بھی مثال اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ سے پیش کی جاسکتی ہے کہ اس نے علم و تحقیق ایجاد و اختراع اور مادی ترقی کو پابجولاں کر دیا ہو یہ سیاہ تصویر اگر ہے تو یورپ کے کلیسائی نظام کی ہے اسلام کی نہیں۔ پس طبعیاتی علوم میں مسلمانوں کا تخلف اگر ہے تو اسکی ذمہ دار یورپ کی وہ اندھی تقلید ہے جو ہماری نظر انتخاب صرف وہاں کی فحاشی عیاشی اور دیگر خرابیوں پر ہی ڈالتی ہے مگر علم و تحقیق اور سائنس کے میدان میں ہاتھ پاؤں توڑ کر اور کاسۂ گدائی لیکر ہم صرف ان نوالوں کے چبانے اور اگلنے پر اکتفا کرتے ہیں جنہیں آقایان مغرب اگل کر ہمارے سامنے پھینک دیتے ہیں، اگر مذہب واقعی ہمیں ان ترقیات سے روکتا ہے تو جن لوگوں نے صدیوں سے حاملین مذہب کو از کار رفتہ قرار دیکر مذہب کا جوا اپنے گلے سے اتار پھینکا ہے اور دو ڈھائی سو سال سے اپنی ساری فکری اور علمی قوتیں مغربی نظام تعلیم میں کھپا رہے ہیں۔ انہوں نے سائنس کے میدان میں کونسا تیر مارا ہے۔ اس میدان میں ان کی رسائی زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ مغرب کے بنائے ہوئے اوزار اور ایجادات کا کچھ استعمال سیکھ سکیں۔ تو درحقیقت ہماری پسماندگی کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم نے یورپ کے خراد پر اپنا مذہب اپنا ورثہ اپنی فکری قوتیں بھی چڑھا دیں اور اس کے بدلے میں مغرب سے ایک ناقص اور جامد نظام تعلیم قبول کر لیا جس کے نتیجہ میں ہمیں سوائے ادنیٰ اور اعلیٰ درجہ کے کلرکوں، سیکرٹریوں اور اسکی تہذیب و معاشرت میں نقالی کرنے والے بہروپیوں کے اور کچھ نہ ملا۔ اس نظام تعلیم سے

ہمیں ذہنی آوارگی یورپ کی مرعوبیت ، مذہب سے گریز کی دولت تو مل گئی ، مگر ایجاد و اختراع اور تحقیق و دریافت کی کنجیاں انہوں نے اپنے پاس ہی رکھیں۔

آخر میں اگر اعلیٰ انسانی اقدار کی روشنی میں امریکہ اور روس کے اس مقابلہ اور مسلسل جد و جہد کے محرکات و اسباب کا جائزہ لیں تو ہمیں اور بھی مایوسی ہوگی ، ان تسخیری قوتوں سے انسان کی کونسی مشکلات ختم ہو جائیں گی اس کا فیصلہ تو مستقبل کرے گا ، مگر اس سلسلہ میں اب تک جتنی ایجادات ہمارے سامنے آچکی ہیں ان اقوام کی انسان دشمنی ، حیوانیت اور درندگی کی وجہ سے ان میں سے اکثر انسان کی فلاح و بہبود کی بجائے اسکی ہلاکت اور بربادی کا ذریعہ بنی ہیں ۔ عالمی لڑائیوں کی مثال ہمارے سامنے ہے تسخیر قمر کی اس جد و جہد کی پشت پر بھی یقیناً یہی حیوانی جذبات کار فرما ہیں۔ یہ لوگ ایک ایک تجربہ پر کئی کئی کھرب روپے پھونک رہے ہیں ، مگر روئے زمین پر بسنے والے کروڑوں بھوکے ننگے سردی اور دھوپ میں جھلسنے والے اور جنگ کی بھٹیوں میں جلنے والے انسانوں کے امن و سکون اور بنیادی ضروریات فراہم کرنے کیلئے سائنس کے پاس وہ کونسا نسخہ کیمیا ہے جسے اب ستاروں اور آسمانوں پر آزمایا جا رہا ہے پھر اس دوڑ دھوپ کا مقصد ایک دوسرے پر بالادستی اور برتری ہے تو اس وسیع اور لامحدود کائنات اور ریت کے ذرات کے برابر ستاروں کے ہوتے ہوتے یہ مقابلہ اور ریس آخر کہاں جا کر ختم ہوگا ۔ کوئی مانے یا نہ مانے مگر انسانیت کی فلاح کامیابی اور امن و سکون کا حل صرف مذہب کے پاس تھا اور یورپ نے بڑی عیاری سے اس کا رخ ایک نہ ختم ہونے والی مادی عیاشی کی طرف موڑ دیا ہے تاکہ جلد از جلد یہ عالم اپنے انجام تک پہنچ جائے — گویا خدا کی دی ہوئی شہادت اب پوری ہوا ہی چاہتی ہے کہ اقتربت الساعۃ وانشق القمر — اور قریب ہے کہ وقت موعود کسی بھی وقت انسانوں کے اوپر پھٹ پڑے — لا یجلیھا لوقتہا الا ھو ثقلت فی السموات والارض لا تاتیکم الا بغتۃ ۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

سمیع الحق

یکم جولائی ۱۹۶۹ء

اسلامی نظام معیشت کا ایک پہلو یہ بھی ہے

اکل حرام کا وبال

روحانی طہارت کے ساتھ جسمانی صفائی کی ضرورت

خطبۂ جمعۃ المبارک، صفر ۱۳۸۹ھ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لا یربو لحم نبت من سحت الا کانت النار اولیٰ بہ ۔ (او کما قال علیہ السلام)

یہ ایک حدیث کا ٹکڑا ہے جو آپ کے سامنے پڑھا گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، جسم انسانی میں جو گوشت بھی حرام چیز کھانے سے پیدا ہو وہ آگ میں جلنے کے لائق ہے۔ جو شخص حرام کمائی کھاتا ہے اس غذا سے خون اور خون سے گوشت بن جاتا ہے، تو وہ شخص اس حرام گوشت کے ساتھ جنت نہیں جا سکے گا، جبتک یہ گوشت جہنم میں جل نہ جائے، گویا بدن کی مثال کپڑے کی طرح ہے کہ اگر گندہ اور پلید ہو جائے، میلا کچیلا ہو اس پر نجاست لگی ہو تو جب تک اسے اچھی طرح صاف نہ کیا جائے ہم کسی بادشاہ کسی سرکاری تقریب یا کسی اونچی شخصیت سے ان کپڑوں میں ملاقات نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ جب احکم الحاکمین ملک الملک کے دربار میں مسلمانوں کی حاضری نماز کی شکل میں ہوتی ہے تو حکم دیا گیا ہے کہ سارا بدن اور کپڑے نجاسات سے پاک و صاف ہوں، اس لئے غسل اور وضو کیا جاتا ہے۔ اور وضو سے جسطرح ظاہری جسم صاف ہوتا ہے، اسی طرح معنوی نجاسات گناہ صغیرہ بھی اس سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ مضمضہ کرنے سے منہ کے گناہ اور استنشاق کرنے سے ناک کے گناہ، چہرہ دھونے سے آنکھوں کے گناہ دھل جاتے ہیں، اور ہاتھ پاؤں دھونے سے ان اعضاء کے گناہ گر جاتے ہیں۔ تو جو شخص اچھی طرح اور ثواب کی نیت سے وضو کرنے سے پہلے بسم اللہ کہہ دے اور وضو کی مسنون دعائیں پڑھے

نے تو حدیث میں آتا ہے کہ اس وضو کی برکت سے اللہ تعالیٰ گناہوں سے اسے صاف ستھرا کر دیتا ہے۔ اسی طرح کپڑوں کا حکم ہے کہ نماز کی حالت میں پاک صاف ہوں وثیابک فطہر (اور کپڑوں کو پاک صاف رکھو)

امام شافعیؒ کا مسلک تو یہ ہے کہ سوئی کے سرے کے برابر نجاست بھی کپڑے پر نہ ہونی چاہیے ہمارے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قدرے تخفیف ہے کہ درہم کی مقدار سے کم ہو تو معاف ہے، پھر بھی کپڑے کا پاک ہونا لازمی ہے۔

پھر یہ معاملہ دنیاوی شان و شوکت رکھنے والوں سے ملاقات اور نماز کی حالت پر موقوف نہیں، بلکہ جب قیامت کے دن اللہ کے سامنے ہماری حقیقی حاضری ہوگی اور اللہ کی رحمتوں کا جو مورد ہے یعنی جنت، اس میں بھی پلید جسم کے ساتھ ہماری حاضری نہیں ہو سکے گی۔ قبر عالم آخرت کا پہلا دروازہ ہے۔ اور جب قبر میں انسان داخل ہوتا ہے تو وہاں پہلی تفتیش اور تحقیق وضوء اور طہارت کے بارہ میں ہوگی گویا قبر میں پہلا سوال وضوء کے بارہ میں ہوگا اور اگر اس کا جسم دنیا میں بول و براز سے آلودہ رہا ہوگا تو اس جسمانی نجاست سے قبر میں معذب ہوگا، اور ظاہر ہے کہ جب نماز شخص کو بول و براز اور گائے بیل کے پیشاب سے بچنے کی کیا پرواہ ہوتی ہے تو اس کا وبال قبر ہی سے بھگتنے لگے گا، احادیث میں آتا ہے کہ مدینہ طیبہ میں حضور اقدس کا گذر دو تازہ اور نئی قبروں کے قریب سے ہوا یہ صحابہؓ کی قبور تھیں کہ حضورؐ کو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور مدینہ منورہ میں سکونت رکھتے تھے، مگر حضور اقدسؐ نے قبروں کو دیکھ کر فرمایا: انھما لیعذبان وما یعذبان فی کبیر۔ (دونوں عذاب میں مبتلا ہیں ایک ایسی چیز کی وجہ سے جسے یہ کوئی بڑی چیز نہیں سمجھتے تھے۔) اس لئے کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے —— ایک تو فساد کی نیت سے چغلی کیا کرتا تھا، ایک مجلس کی بات دوسری مجلس تک پہنچا دی، دو مسلمانوں کے درمیان صلح کی بات کرنے کی بجائے فساد میں ساعی رہتا تھا۔ دوسرا شخص پیشاب کے چھینٹوں سے اپنے آپ کو نہیں بچاتا تھا: اس لئے اب دونوں عذاب میں مبتلا ہیں۔ پھر حضورؐ تو رحمۃ للعالمین ہیں، رحمت کا مجسمہ ہیں وہ راستہ چلتے کسی کو تکلیف میں دیکھتے تو کب برداشت ہو سکتا کہ اسی طرح گذر جاتیں تو یہاں بھی رک گئے، کھجور کی ایک ٹہنی لی اس کے دو ٹکڑے کر کے ہر ایک قبر پہ ایک ایک ٹہنی گاڑ دی اور فرمایا کہ شاید جب تک یہ ٹہنی تازہ اور ہری ہو اس وقت تک اللہ تعالیٰ ان سے عذاب اٹھا دے رحمۃ للعالمین یہ برداشت نہ کر سکے کہ انہیں تکلیف میں دیکھ کر رفع تکلیف کی شفاعت نہ فرما دیں۔ پھر اعلان فرمایا: استنزھوا

من البول فان عامة عذاب القبر منه ... الحدیث ... (اپنے اور اپنے حیوانات کے پیشاب سے اپنے کو بچاتے رکھو کیونکہ عموماً عذاب قبر اسی وجہ سے ہوتا ہے۔)

الغرض قبر اور برزخ جو قیامت کی پہلی سیڑھی ہے یہاں سے صفائی کا لحاظ شروع ہو جاتا ہے تو جب ظاہری نجاست سے بچنے کی اتنی احتیاط ہے جو ناپائیدار اور آسانی سے زائل ہونے والی چیز ہے۔ تو باطنی نجاسات گناہ اور معصیت اور حرام کمائی سے اگنے والا گوشت حرام کمائی سے نشو و نما پانے والا جسم اسکی وجہ سے کتنا شدید عذاب میں ہوگا۔ اس لئے حدیث میں فرمایا کہ گوشت کا جو ٹکڑا نجس ہے۔ لوگوں کے حقوق پامال کرکے، غصب اور چوری کرکے حرام مال سے پیدا ہوا ہے اسے آگ پر داغا جائے گا، اگر قبر تک عذاب سے نجاست کے یہ دھبے نہ دھل سکے تو جہنم کی آگ سے اسے صاف کروایا جائے گا، اگر صاف ہوا تب جنت میں داخلہ کے قابل ہوگا، قرآن مجید میں ایسے مال و دولت سونا اور چاندی کے بارہ میں جس میں سے اللہ کے حقوق ادا نہ کئے گئے ہوں حرام طریقوں سے کمایا گیا ہو، مخلوق خدا کو اس سے فائدہ نہ پہنچایا گیا ہو کہا گیا ہے کہ ایسے سونے اور چاندی کی بڑی سلاخیں آگ میں سرخ کرکے ان کے چہروں اور جسم کے دیگر اطراف کو داغا جائے گا۔ مقصد اس سے وہی تطہیر ہوگی کہ یہ پلید اور نجس گوشت جل جائے جو ایسی دولت سے بنا ہے، دنیا میں بھی اگر کپڑوں سے نجاست اور میل کچیل ہٹاتے ہیں تو اسے آگ پر کھولتے ہوئے پانی میں ڈالتے ہیں پھر لکڑی سے یا پتھروں سے اسے مارتے ہیں تب کہیں زیب تن کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اسیطرح باطنی نجاست کی تطہیر کا سلسلہ قبر ہی سے شروع ہو جائے گا، داغ دھبے مٹ گئے تو بہتر ورنہ قیامت کے دن کے شدائد سے اسے صاف کرایا جائے گا۔ وہ دن جو پچاس ہزار سال کے برابر ہے، اور سورج جو اب کروڑوں میل دور ہے اس وقت ایک میل کی مسافت پہ ہو جائے گا، گرمی کا یہ عالم ہوگا کہ کوئی گھٹنوں کے برابر کوئی ناف کوئی پیشانی تک پسینہ میں غرق ہوگا، اگر ایسے شدائد پر بھی اسکی نجاستوں کی تلافی نہ ہوئی تو پھر جہنم میں اسے غوطے دئے جائیں گے۔ اگر دل میں ایمان کی روشنی ہو تو جہنم میں جلانے کے بعد اسے نکال کر جنت بھیج دیا جائے گا اور اسکی مثال دنیا میں دیکھو اگر کسی فولادی لوہے پر زنگ لگ گیا ہو تو اسے آگ میں جلا جلا کر اور ہتھوڑے مار مار کر صاف کروایا جاتا ہے۔ پھر جب ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور زنگ بالکل دور ہو چکا ہو تو خالص اور کھرے لوہے سے اوزار بناتے ہیں۔ اگر ٹھیک نہ ہوا ہو اور غل و غش باقی ہو تو پھر اسے بھٹی میں ڈالتے ہیں، اگر پورے طور پہ زنگ اسے کھا چکا ہو، آر پار ہو چکا ہو، اور کام کا لوہا اس میں باقی نہ رہا ہو تو اسے پھر بھٹی

کے منہ میں ہی چھوڑ دیتے ہیں، اور انگاروں کے ساتھ جلتا رہتا ہے۔ یہی مثال انسان کی ہے اگر اس کے گناہ معمولی ہوں اور عذاب برزخ سے صاف نہ ہو سکیں تو جہنم کے عذاب سے اس کی صفائی کی جائے گی، اور گناہ جسقدر سخت اور دیرپا ہوں اتنا ہی عذاب جہنم کی شدت اور مقدار کا حال ہوگا۔ اگر دل میں ایمان موجود ہو تو آخر الامر اسے نکال دیا جائے گا، لیکن اگر کفر اور شرک کا زنگ دل کو کھا چکا ہو تو اسے ہمیشہ کے لیے پھر اسی آگ میں چھوڑ دیا جائے گا۔ الغرض مذکورہ حدیث میں اسی طرف اشارہ کیا گیا کہ اکل حرام جو ایک گناہ عظیم ہے اس کی سزا جہنم سے جلنا ہے۔

صحابہؓ کرام اور خلفاء راشدین پر اللہ کی رحمت ہو، احتیاط اور تقویٰ کے کیسے کیسے نمونے ہمارے لیے چھوڑ گئے ہیں۔۔۔ حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ ساری مملکت اسلامی کے فرمانروا ہیں۔ مگر اتنا وظیفہ لیتے ہیں کہ جس سے قوت لایموت ہوتا ہے۔ ایک بار بیوی نے حلوا کھانے کی خواہش ظاہر کی حضرت صدیق نے فرمایا کہ میرے پاس تو گنجائش نہیں ہے، البتہ مسلمانوں کی خدمت کے عوض یہ معمولی سا وظیفہ مل رہا ہے، اور اس میں گنجائش نہیں، بیوی نے ضروری یومیہ اخراجات سے پیسہ پیسہ پس انداز کیا اور ایک دن حلوا پکوایا، حضرت صدیق گھر تشریف لائے تو ان کے سامنے بھی رکھا، حضرت صدیق نے حسب معمول نئی چیز دیکھ کر دریافت کیا کہ یہ کہاں سے آیا ہے، بیوی نے قصہ سنایا کہ اسطرح بچ بچا کر کچھ پیسے جمع ہوئے اور اس ہوسے یہ تیار کرایا ہے، فرمایا اچھا یہ بات ہے۔ ہمارا گذر اوقات اس ایک پیسہ سے کم وظیفہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ حلوا اٹھا کر بیت المال بھیج دیا اور آئندہ اپنے وظیفہ سے ایک پیسہ کاٹ دیا۔ اور مشتبہات سے احتراز کا یہ حال تھا کہ ایک دن ان کے غلام نے کھانے کی کوئی چیز پیش کر دی، حضرت صدیق کو اس دن بہت بھوک تھی، عموماً ایسے موقع پر تحقیق کرتے کہ یہ کہاں کی کمائی ہے ۔۔۔؟ اس دن دریافت نہ فرمایا اور اس سے لقمہ لیکر منہ میں ڈال دیا، اتفاق کی بات کہ غلام نے خود توجہ دلائی کہ آج آپ نے دریافت نہیں کیا۔ فرمایا ہاں یہ تو غلطی ہوئی۔ اب بتلاؤ کہ کہاں سے آیا۔ غلام نے کہا کہ میں جاہلیت کے زمانہ میں جادو ٹوٹکے کیا کرتا تھا اس کا معاوضہ اور اجرت انہوں نے اس وقت نہیں دیا تھا، آج انہوں نے راستہ میں دیکھ کر دیدیا۔ حضرت صدیق نہایت پریشان ہوئے کہ یہ تو مشتبہ کمائی تھی کہ جادو سحر کے ذریعہ حاصل ہوئی تھی، اب اسے واپس اگلنے کی کوشش شروع کی مگر نہار منہ ایک ہی لقمہ کھایا تھا قے کب ہو سکتا، نہایت تکلیف اٹھائی ہر طرح کی کوشش کی، پیٹ بھر کر پانی پیا اور حلق میں انگلیاں ڈال کر بالآخر وہ ایک لقمہ قے ہوا، لوگوں نے کہا کہ حضرت ایک لقمہ کی خاطر اتنی اذیت اٹھانے کی

کی وجہ کیا تھی۔؟ فرمایا کہ یہ تو اللہ کا کرم تھا کہ کھائی ہوئی چیز باہر نکلی، ورنہ اگر اس میں میری جان بھی جاتی تو پرواہ نہ تھی، کیونکہ حضورؐ نے فرمایا کہ جو گوشت حرام کھانے سے بن جاتا ہے وہ آگ سے جل جانے کے مستحق ہے۔ لایربو لحم نبت من سحت الا کانت النار اولیٰ بہ ۔ (الحدیث)

محترم بھائیو! آج ہم مسلمانوں کو ان باتوں کا ذرا بھی احساس نہیں، نہ حرام سے بچنے کی پرواہ ہے، حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم میں یہ خرابی تھی کہ ناپ تول میں دھوکہ دیتے تھے۔ ترازو مارتے تھے، اللہ نے اس جرم کی وجہ سے ایک بادل ان پر بھیج دیا جس سے آگ برسی اور ساری قوم آگ سے تباہ کر دی گئی۔ آج مسلمان بھی اسی گناہ میں مبتلا ہیں، ڈنڈی مارنا تو کوئی گناہ معلوم نہیں ہوتا، خداوند تعالیٰ نے ہمیں بار بار تنبیہ کی ہے کہ اس گناہ سے بچتے رہو۔

واقیموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان۔	اور سیدھی ترازو تولو انصاف سے اور مت گھٹاؤ تول کو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں کیلئے ہلاکت اور بربادی ہے اور انہیں ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے۔

ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون واذا کالوھم او وزنوھم یخسرون الا یظن اولئک انھم مبعوثون لیوم عظیم یوم یقوم الناس لرب العالمین۔	خرابی ہے گھٹانے والوں کی وہ لوگ جب ماپ کرلیں لوگوں سے تو پورا بھرلیں اور جب ماپ کر دیں ان کو یا تول کر تو گھٹا کر دیں۔ کیا خیال نہیں رکھتے وہ لوگ کہ ان کو اٹھنا ہے اس بڑے دن کے واسطے جس دن کھڑے رہیں لوگ راہ دیکھتے جہاں کے مالک کی۔ (شیخ الہندؒ)

.....

ہمارے جرائم ہلاک ہونے والی قوموں سے کسی طرح کم نہیں۔ مگر یہ حضور علیہ السلام کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ پوری امت کا استیصال نہیں ہوتا، پچھلی قومیں ایسے گناہوں پہ پوری کی پوری ہلاک کر دی گئی ہیں۔ اور مجموعی امت حضور اقدسؐ کی دعاؤں کی برکت سے عذاب سے اگرچہ محفوظ ہے مگر پھر بھی تکالیف شاقہ اور ذلت و ادبار باہمی جنگ و جدال اور تفریق و انتشار میں مبتلا ہے جو ان گناہوں کا وبال ہے، آج عوام و خواص کی اکثریت مشتبہ اور حرام کھانے میں مبتلا ہے۔

امام بخاریؒ کے والد صاحب بہت بڑے متمول اور عالم تھے۔ لاکھوں کی تجارت تھی وفات کے وقت ایک شاگرد ان کی خدمت میں حاضر ہوا، تو فرمایا کہ اب جب اللہ کے ہاں

حاضر ہو رہا ہوں تو مجھے اطمینان ہے کہ اللہ میرے ساتھ ایک درہم (چونی) کے برابر بھی حساب نہیں کرے گا۔ آج کون ہے جو اتنے یقین کے ساتھ کہے، کہ میری تجارت میں حرام کمائی نہیں۔ یہ ان کے کمال تقویٰ کا ثبوت تھا، خود عالم اور محدث تھے پھر اس کے بدلے اللہ نے بیٹا بھی ایسا دیا کہ جس کا صدقہ جاریہ صحیح بخاری کی شکل میں قیامت تک جاری رہے گا، اور اس کا اجر ان کے والد کو بھی ملتا رہے گا۔۔۔۔ ہمارے حضرت امام ابو حنیفہؒ جن کے تین چوتھائی حصہ مسلمان مقلد ہیں عالم تھے۔ دن بھر درس و تدریس کا شغل رہتا، علماء اور قضاۃ تیار کرنے اور دین کے مسائل بتلانے میں مصروف رہتے اپنا مال مضاربت پر لگوایا تھا۔ بہت بڑی تجارت تھی۔ ایک دفعہ اپنے کسی شریک تجارت کو مال تجارت دیا کہ اسے بیچ دو مگر اس میں فلاں عیب ہے۔ اُسے تاکید کر دی کہ خریدنے والے پر ضرور اس عیب کو ظاہر کر دو۔ اس نے مال فروخت کر دیا، واپس ہو کر حضرت امام کو تفصیل بتلا دی کہ فروخت ہوا اور غالباً تیس ہزار تک اس میں نفع ہوا، امام نے پوچھا کہ کیا تم نے خریدار پر عیب ظاہر کر دیا تھا۔۔۔؟ اس نے کہا کہ میں تو قطعی بھول گیا اور بڑی ندامت ظاہر کی امام صاحب نہایت خفا ہوئے وہ سارا نفع خیرات کر دیا، اور اس شریک کار سے شرکت کا معاملہ اسی وقت ختم کر دیا۔

حضرت مالک بن دینار بڑے صوفی عابد اور محدث گذرے ہیں، فرماتے ہیں کہ میرے ایک پڑوسی پر نزع کی حالت تھی بوقت وفات میں ان کے پاس گیا، نہایت اضطراب اور پریشانی میں تھا، مالک بن دینار نے پریشانی کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ میرے سامنے آگ کے دو پہاڑ ہیں اور مجھے حکم دیا جا رہا ہے کہ انہیں عبور کر دوں۔ پوچھا یہ کس چیز کے پہاڑ ہیں کہا کہ میں نے دکانداری کرتے ہوئے دو باٹ رکھے تھے، ایک پر خریدتا تھا، اور دوسرا جو اس سے کم تھا اس سے فروخت کیا کرتا۔ اب وہ دونوں ناپ تول کے پتھر ان پہاڑوں کی شکل میں میرے سامنے ہیں۔ اب میں ان پر کیسے چڑھوں اور کیسے عبور کروں۔۔۔؟

ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ میرے ایک پڑوسی پر سکرات موت طاری تھے اور تلقین کے باوجود کلمہ نہیں پڑھ سکتا تھا، میں نے وجہ پوچھی تو کہا کہ جب کلمہ زبان سے پڑھنے لگتا ہوں۔ تو میری دکان کی ترازو کی ڈنڈی زبان کو سختی سے دبا کر اسے روک دیتی ہے اور کلمہ پڑھنے نہیں دیتی۔

تو بھائیو! ان گناہوں کا اثر موت کے وقت ظاہر ہونے لگتا ہے اور ایمان خطرہ میں پڑ

جاتا ہے بعض اوقات اہل اللہ اور عارفین پر ان چیزوں کا انکشاف ہو جاتا ہے، اور اس کی مثال تو حضور اقدسؐ کے زمانے میں بھی موجود ہے ایک صحابی سے اس کی والدہ ناراض تھی، اسکی موت کا وقت آیا، حضورؐ اس کے پاس تشریف لے گئے، کلمہ کی تلقین فرمائی مگر اسکی زبان کلمہ پڑھنے سے گنگ ہو جاتی تھی، حضورؐ کو وجہ معلوم تھی، اسکی والدہ کو بلا کر فرمایا کہ میں آپ کے اس بیٹے کو آگ میں ڈالنا چاہتا ہوں، لکڑیاں جمع کر دو، اور حضورؐ تو حکیم تھے، والدہ کے جذبۂ ترحم کو اس طرح ابھارنا چاہا کہ یہ اپنے بیٹے کو معاف کر دے گی، والدہ نے یہ سنا تو فریاد شروع کی حضورؐ نے فرمایا کہ جب تو اس سے ناراض ہے تو ویسے بھی اسے جہنم میں جلنا ہے تو یہاں ہی کیوں نہ جلایا جائے، ماں نے یہ سن کر فوراً بیٹے کو بخشدیا اور جب بخش دیا تو اس نے فوراً لا الہ الا اللہ کہہ دیا۔

ایک صحابی حضورؐ کے خدمت گذار ہیں، خادم حاضر باش ہیں کرکرہ نام ہے، حضورؐ کی اونٹنی کا کجاوہ کسی جہاد میں درست کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک تیر آیا اور وہ شہید ہو گئے، صحابہؓ بڑے خوش ہوئے کہ حیاتِ جاودانی شہادت حاصل ہونے پر انہیں بے حساب خوشی ہوتی تھی۔ ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگے — ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون۔

حضور اقدسؐ کو بھی مبارکباد دی کہ آپ کا غلام شہید ہو گیا حضورؐ نے فرمایا: تم مبارکباد دے رہے ہو مگر میں اسے ایک چادر میں لپٹے ہوئے آگ میں جلتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، صحابہ کرامؓ حیران ہوئے کہ حضورؐ کا خادم اور شہادت پانے والا صحابی کیوں جل رہا ہے۔؟ اس کے سامان کی تلاشی لی گئی تو اس میں سے مالِ غنیمت کی ایک چادر نکل آئی جو اس نے تقسیم ہونے سے قبل اٹھائی تھی — پھر حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ جنت میں وہ شخص داخل ہو گا جو پورا مسلمان ہو، پوری صلاحیت رکھتا ہو، مسلم ہو، یعنی امن والا ہو۔

الغرض حرام کمائی سے بچنے کی کوشش کرو اور اگر یہ گناہ سرزد ہو چکا ہے تو اس کا علاج یہ ہے کہ جس کا مال کھایا اس سے معافی مانگ لو، زندہ ہو تو اس کو ورنہ اس کے ورثاء کو ان کا حق واپس کر دو اور آئندہ کے لئے حق تلفی اور اکل حرام سے اجتناب کرو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم مسلمانوں کا حق پہچان لیں، اپنے بھائیوں کی آبرو رکھیں اور ہمارے ہاتھوں سے کسی کو نقصان نہ پہنچے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب مدظلہ
شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ ــــ دہلی

مقالاتِ سیرت
قسط
(۲)

محمد ﷺ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بحیثیت

داعی الی اللہ

مقاصد ــــ خصوصیات ــــ آداب ــــ مراتبِ دعوت

★

داعیاً الی اللہ باذنہ ــــ اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف بلانے والا، یعنی نبی دونوں باتوں میں خدا کا محتاج ہے۔ کسی کو دعوت بھی اللہ کی عطا کردہ توفیق کے بغیر نہیں دے سکتا، اور جب تک خدا کا حکم نہ ہو وہ دعوت نتیجہ خیز بھی نہیں ہو سکتی۔

سراجاً منیراً ــــ چراغ چمکتا، یا چراغ نور پھیلانے والا۔ چراغ سے زیادہ چمک دمک چاند اور سورج میں ہوتی ہے۔ روشنی بخشنے اور نور پھیلانے میں بھی وہ چراغ سے لاکھوں کروڑوں گنا زیادہ ہیں۔ مگر جب "داعی الی اللہ" کی حیثیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کرایا جا رہا ہے تو آپ کو سورج یا چاند نہیں فرمایا گیا۔ بلکہ چراغ سے تشبیہ دی جا رہی ہے۔ کیونکہ داعی الی اللہ کیلئے جس سوز و گداز اور جس رابطہ اور تعلق کی ضرورت ہے وہ چاند اور سورج میں نہیں ہوتا۔

چاند اور سورج کی حقیقت کچھ بھی ہو وہ آگ کا گولہ ہوں یا کسی اور مادہ کا کرہ ہوں، مگر اتنی بات ظاہر ہے کہ وہ محفل انسان سے بہت دور۔ اور انسان کی دسترس سے بہت بالا ہیں۔ یہ درست ہے کہ ان کی کرنیں اور شعاعیں انسان کی بہت سی ضرورتوں کے لئے مفید ہی نہیں بلکہ حیات بخش بھی ہیں۔ مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ ان کی فطرت رقت اور گداز سے محروم ہے۔ چاند تو ایک منجمد کرہ ہے، جہاں

تک معلوم ہو سکتا ہے اس میں حرارت بھی نہیں، آفتاب حرارت اور سوزش کا مخزن مانا جاتا ہے۔ مگر جس کو سوز و گداز کہتے ہیں، جو ہمدردی اور غمخواری کی علت ہوا کرتی ہے۔ فطرت آفتاب اس سے ناآشنا ہے، وہ نہیں جانتی کہ رقت کس چیز کا نام ہے، پگھلنا کس کو کہتے ہیں۔

اب آئیے چراغ پر ایک نظر ڈالیے جس طرح اس کا نور رونق محفل ہے، خود اسکی ذات شریک مجلس ہے ہر ایک کی نظر اسکی لو تک اور انگلیاں اسکی بتی تک پہنچ سکتی ہیں۔

> اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ رقت و زاری کی ایک مثال، سوز و گداز کی تصویر اور ایثار فدائیت کا عبرت آموز سبق ہے۔ اہل محفل نشاط و مسرت میں مست ہیں۔ مگر یہ پگھل رہا ہے، سلگ رہا ہے، فدا ہو رہا ہے، قربان ہو رہا ہے، اس کا جگر پرسوز ہے، اور وہ جو رگ جان کیطرح ایک فتیلہ ہے اس کا کس بل نکل رہا ہے۔ یہ سب کچھ کیوں ہے اور کس لئے ہے---؟ انہیں اہل محفل کیلئے یہ سوز و گداز ہی کی خصوصیت ہے......

کوئی داعی الی اللہ فریضۂ دعوت ادا نہیں کر سکتا جب تک نوع انسان کی فلاح و بہبود کا درد اس کے دل میں نہ ہو اور اسکی تمام روحانی اور جسمانی طاقتیں اس سوز و گداز کے لئے وقف نہ ہوں۔ اسے سوز و گداز کہو یا کھلے لفظوں میں آگ اور نار کہو۔ جو ایک طرف داعی کے تن من کو تحلیل کر رہی ہے۔ اور دوسری طرف یہی نار پوری محفل اور انجمن کیلئے نور بن رہی ہے---- مگر یہ آگ لکڑی اور ایندھن کی آگ نہیں ہے۔ یہ آگ ہے عشق و محبت کی آگ۔ ہمدردی اور غمخواری کی آگ، شفقت و رافت اور غمگساری کی آگ۔ یہ آگ جتنی زیادہ ہوگی اتنا ہی اس کا مرتبہ دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں بلند ہوگا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک کس درجہ پر سوز تھا، اور آپ کے رگ و پے میں یہ درد کتنا سرایت کر چکا تھا، اس کا کچھ اندازہ ربِّ محمد کے اس ارشاد گرامی سے ہوتا ہے،

لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین۔ — شاید تم گھونٹ مارو اپنی جان اس پر کہ وہ یقین نہیں کرتے۔

اس کے باوجود کہ کلام ربانی میں مختلف طرح سے یہ سمجھا دیا گیا تھا کہ ان کی کج روی اور گمراہی کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے، آپ ایک رہنما اور پیغام رساں ہیں۔ آپ کو داروغہ[1]، محتسب یا

---

[1] ومن تولی فما ارسلنک علیھم حفیظاً - سورۃ نساء ع ۸ ج ۵ - قل لست علیکم بوکیل - سورہ نحل ع ج ۷، ع ۱۴ لست علیھم بمسیطر - سورہ غاشیہ ج ۳۰۔

گماشتہ ہی نہیں ہیں کہ ان کے کردار بد کی جوابدہی آپ کو کرنی پڑے - پھر بھی مشفقانہ اور مجددانہ غم و اندوہ کی حالت یہ ہے کہ :

فلعلّک باخع نفسک علیٰ آثارھم سو تم کہیں گھونٹ ڈالوگے اپنی جان ان کے پیچھے
وان لم یومنوا بھذا الحدیث اسفاً اگر وہ نہ مانیں گے اس بات کو پچتا پچتا کر - (سورۃ کہف رکوع ۱)

آپ ایک بوڑھے باپ کا تصور کیجئے جو اپنی کھلی[1] ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ اس کے بچے آنکھوں پر پٹی باندھ[2] کر دھکتی ہوئی آگ کی خندق کیطرف دوڑ رہے ہیں وہ چیخ رہا ہے۔ بدحواس ہو کر چلا رہا ہے، مگر بچے کچھ نہیں سنتے، نہ اپنی دوڑ[3] میں کمی کرتے ہیں، نہ آنکھوں سے پٹی کھولتے ہیں، وہ چاہتا ہے کہ کوڑے مارے[4]۔ ان کو اس اندھی چال سے روکے تو اس کا آقا فوراً تنبیہہ کرتا ہے کہ مارنے پیٹنے کا تمہیں کوئی حق نہیں، تم محض زبان سے سمجھا سکتے ہو، جبر کسی قسم کا نہیں کر سکتے اور ان کو بددعا[5] بھی نہیں کر سکتے۔ اولاد کی یہ چال اور آقا کا یہ حکم ـــ! اس بوڑھے باپ کی کڑھن کی کیا حالت ہو گی ـــ "آہ کرنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے"

ـــ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگر سوزی اور دل گدازی کی یہ ہلکی سی تصویر ہے ؎

شمع جلتی ہے پر اسطرح کہاں جلتی ہے ہڈی ہڈی مری اے سوز نہاں جلتی ہے

رات کی تاریکی کو قسم دے کر پوچھو وہ سچ سچ بتائیگی۔ شب کے آخری لمحات میں صبح صادق سے کچھ پہلے جب انسان کی فطرت سلیم خود انسان کو اپنے رب اور پروردگار کے سامنے جھکنے اور اس کے سامنے گڑگڑانے کا وعظ کہا کرتی ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کیا ہوا کرتی تھی، جب وہ اپنی چند گز کی تنگ کوٹھڑی میں جسکی چھت سر سے لگتی تھی، جس میں نہ تازہ ہوا کا کوئی انتظام تھا نہ روشنی کا، وہ خستگی اور شکستگی کے ساتھ کھڑے ہو کر اور کبھی رکوع میں جھک کر۔ اور زیادہ فرشِ زمین پر پیشانی رگڑتے ہوتے قلب گریاں اور چشم پرنم کے ساتھ

---

[1] علیٰ ابصارھم غشاوۃ - (بقرہ ع ۱)

[2] کمثل الذی ینعق بما لا یسمع الا دعاء ونداء صم بکم عمی فھم لا یعقلون -
(بقرہ ع ۲۱ ج ۲)

[3] اولئک کالانعام بل ھم اضل اولئک ھم الغفلون - (اعراف ع ۲۲)

[4] لیس لک من الامر شیٔ او یتوب علیھم او یعذبھم فانھم ظلمون - (آل عمران ع ۱۳)

کیا کہا کرتا تھا — ؟ ان تمام دعاؤں کو جمع کیا جاوے تو ایک ضخیم کتاب بن جائے۔ ہمیں اس وقت وہ رات یاد آرہی ہے جس میں زبان مبارک پر یہ آیت آگئی۔

ان تعذبھم فانھم عبادك وان	اگر تو ان کو عذاب کرے تو وہ بندے ہیں تیرے
تغفر لھم فانك انت العزیز الحکیم	اور اگر ان کو معاف کر دے تو تو ہی ہے زبردست
(سورہ مائدہ آخری رکوع)	حکمت والا۔

یہ آیت زبان مبارک پر آئی تو ایک کیفیت طاری ہوئی، دل بھر آیا گریہ طاری ہوا، آپ پھوٹ پھوٹ کر رونا چاہتے ہیں، مگر نماز کا ادب آواز نکالنے سے روک رہا ہے، تو سینہ مبارک میں ابلتی ہوئی ہنڈیا جیسی کھرکھراہٹ پیدا ہوئی، آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری ہو گئی، اور پوری رات اسی آیت کے ورد میں گذر گئی۔

بشر المومنین میں بشارت دینے کی عملی صورت پیش فرمائی گئی کہ جو لوگ آپ کی دعوت کو قبول کریں ان کو خوشخبری سنا دو کہ ان کے لئے خداوند عالم کی طرف سے اتنی بڑی فضیلت ہے کہ کسی نبی کی کوئی امت ان کے ہم پلہ نہیں ہے، اور سب سے افضل ہوں گے۔ اس کے بعد ان کا معاملہ تھا جو کھلے بندوں مخالفت کرتے ہیں۔ یا دسیسہ کاری اور تصنع سے کام لیتے ہیں کہ دل میں کفر بھرا ہوا ہے اپنے اور ظاہر کرتے ہیں کہ وہ آپ کے متبع اور فرمانبردار ہیں — کلام الٰہی ان کو کافر اور منافق کہتا ہے۔ اور ان کے لئے دو باتوں کی ہدایت کرتا ہے، اول یہ کہ ان کی دلداری کے لئے آپ ایسا ہرگز نہ کریں کہ ان کی باتوں پر چلنے لگیں جب وہ کافر و منافق ہیں تو ان کی باتیں بھی ایسی ہی ہوں گی۔ دوسری ہدایت کے الفاظ ہیں۔ دع اذاھم۔ اس لفظ کی تفسیر دو طرح کی گئی اور عجیب بات یہ ہے کہ باپ بیٹے کی رائے مختلف ہے۔

سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اس کا ترجمہ کرتے ہیں :

"از نظر اعتبار بگذار رنجانیدن انسان را"

یعنی یہ کافر اور منافق آپ کو جو کچھ ایذا پہنچاتے ہیں اسکو نظر انداز کیجئے اس کا خیال مت کیجئے۔ اور اپنے خدا پر بھروسہ کیجئے، وہ آپ کا کارساز ہے، اور حضرت شاہ صاحب کے قابل فخر فرزند ارجمند حضرت شاہ عبدالقادر صاحب اس کا ترجمہ یہ کرتے ہیں : اور چھوڑ دے ان کو ستانا اور بھروسہ کر اللہ پر اور اللہ بس ہے کام بنانے والا۔ ممکن ہے کاتب صاحب کی یہ مہربانی ہوئی ہے کہ "ان کا" کی بجائے "ان کو" لکھدیا ہو، اگر شاہ عبدالقادر صاحب کے الفاظ یہ ہوں

کہ چھوڑ دے۔ ان کا ستانا، تو مفہوم وہی ہو جاتا ہے۔ جو حضرت شاہ ولی اللہ نے فرمایا ہے لیکن کاتب کی غلطی نہ مانی جائے اور "ان کو" ہی صحیح سمجھا جائے۔ تو باپ اور بیٹے کے ترجموں میں یہ فرق ہوگا، کہ باپ کے ترجمہ کے بموجب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فراخی حوصلہ اور عفو و درگذر کی ہدایت ہو رہی ہے، اور حضرت شاہ عبدالقادر کے ترجمہ کے بموجب ہدایت یہ ہے کہ درپے انتقام نہ ہوں، ویسے یہ تو ضروری ہے کہ آپ پوری طرح محتاط رہیں ان باتوں میں نہ آئیں لیکن ان کی چالبازیوں کے جواب میں آپ ان کو کوئی سزا دینا چاہیں تو یہ بھی درست نہیں ہے۔ آپ ان کو ستانے کا خیال بھی نہ کریں۔ بلکہ ان کی ان حرکتوں کا جواب خدا کے حوالہ کر دیں۔ آپ اس پر بھروسہ رکھیں وہ آپ کا کارساز ہے۔

اب اس پوری بحث کے دامن کو سمیٹیں تو داعی الی اللہ کی یہ خصوصیات سامنے آئیں گی۔

۱۔ اذعان و یقین۔۔۔ جس سے داعی الی اللہ کا سینہ پرنور ہو۔

۲۔ اپنی دعوت کی صداقت پر اذعان و یقین جیسے شاہد کو اپنی شہادت پر یقین ہوتا ہے۔

۳۔ دعوت کے قبول کر لینے سے جو فوائد پہنچ سکتے ہیں ان کو سامنے رکھے اور ان کی بشارت دے۔۔۔

۴۔ قبول نہ کرنے کی صورت میں حاکمانہ دھمکیوں کی بجائے ناصحانہ انداز اختیار کرے، اور پدر مشفق کی طرح نتائج بد سے آگاہ کرے۔

۵۔ داعی الی اللہ خلوت گزیں نہیں ہوگا بلکہ شمع کی طرح شریک مجلس ہوگا۔ اسطرح کہ اس کے انفاس و کلمات پرنور ہوں، تو قلب و جگر پرسوز ہوں۔

۶۔ اس تمام میل ملاپ کے باوجود ضروری ہے کہ وہ محتاط رہے، دلداری میں اس حد تک آگے نہ بڑھے کہ جس کے لئے دعوت دے رہا ہے۔ اسی آقا کی خلاف ورزی ہونے لگے۔

۷۔ داعی کا سینہ فراخ اور حوصلہ بلند ہو، وہ مخالفین کی چالبازیوں اور گستاخیوں کو نظر انداز کرتا رہے۔ (شاہ ولی اللہ صاحب)

۸۔ مخالفین جو کچھ حرکتیں کریں، داعی الی اللہ جب تک منصب دعوت و تبلیغ پر ہے اسکو انتقام لینا درست نہیں ہے۔ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا۔ اس کا وظیفہ عمل اور طریق کار نہیں ہوگا۔۔۔ بلکہ اس کا لائحہ عمل ادفع بالتی ھی احسن۔ ہوگا۔

(جواب وہ ایسے طریقہ سے جو بہت ہی حسین ہو جس کا نتیجہ یہ ہو کہ دشمن دوست بن جائیں)

(حضرت شاہ عبدالقادر صاحب)

۹۔ انتقام یا چالبازی کے جواب میں چالبازی کی بجائے داعی کی نظر اللہ پر ہونی چاہیئے۔ اور اسی کے فضل وکرم پر اس کو اعتماد رکھنا چاہیئے۔

تزکیہ اخلاق اور روحانی تربیت | قرآن حکیم کی متعدد آیتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور شان بھی بتائی گئی ہے، یعنی تزکیہ اخلاق اور روحانی تربیت ——— دعوت الی اللہ کے نتیجہ میں جب ایک شخص اپنے رب اور معبود کیطرف متوجہ ہوا، اسکی عظمت اور بڑائی کا اقرار کرتے ہوئے اس کے احکام کی پابندی کا اس نے عہد کیا تو ضروری ہے کہ اس کے عمل اور کردار میں بھی وہ خوبیاں نمایاں ہوں جو انسانیت کا جوہر ہیں۔ جن کی بنا پر انسان کو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے۔ نیز ایک بندہ اور پروردہ ہونے کے لحاظ سے اپنے پروردگار اور اپنے مالک وخالق کے ساتھ بھی اس کا تعلق مضبوط ہو۔ پس برائیوں کو زیادہ سے زیادہ ناپید کرنے اور خوبیوں اور بھلائیوں کو زیادہ سے زیادہ اجاگر کرنے کا نام "تزکیہ اخلاق" ہے، یعنی عادتوں اور خصلتوں کو برائیوں سے پاک کرنا اور خدا سے تعلق جوڑنے اس کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کرنے اور اس مضبوطی کو روز افزوں اور ترقی پذیر بنانے کو "روحانی تربیت" کہا جاتا ہے۔ نبی کا کام صرف بلاوا دیدینے پر ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ یہ دونوں کام بھی اس کے فرائض میں ایسی اہمیت رکھتے ہیں کہ جن پر نبوت ورسالت کی پوری عمارت قائم ہوتی ہے، جو شخص نبی کا نائب ووارث بن کر ان فرائض کو انجام دیتا ہے اسکو پیر اور مرشد کہا جاتا ہے۔ ہماری زبان میں پیر اور مرشد کے جو الفاظ بولے جاتے ہیں ان سے وہ پاک انسان مراد ہوتے ہیں جو نبی کا نائب اور وارث بن کر انقلاب پیدا کرنے والی عظیم الشان خدمت انجام دیتے ہیں ——— (جاری ہے)

حضرت نبی کریمؐ نے اخلاق کی تعلیم پر جس قدر زور دیا ہے اس کے مطالعہ کے بعد یہ دعویٰ کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ مذہب اسلام کی تمام تر تعلیم کا لب لباب اگر ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو وہ صرف "اخلاق" ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے تین مرتبہ یہی سوال کیا "دین کیا ہے؟" "آنحضرتؐ نے تینوں مرتبہ یہی جواب فرمایا: "اخلاق"

گذشتہ ماہ تبصرۂ کتب میں "اسلامی مذاہب" کے ناشر کا پتہ رہ گیا ہے، جو کہ یہ ہے:
"ملک برادرز کارخانہ بازار لائل پور"

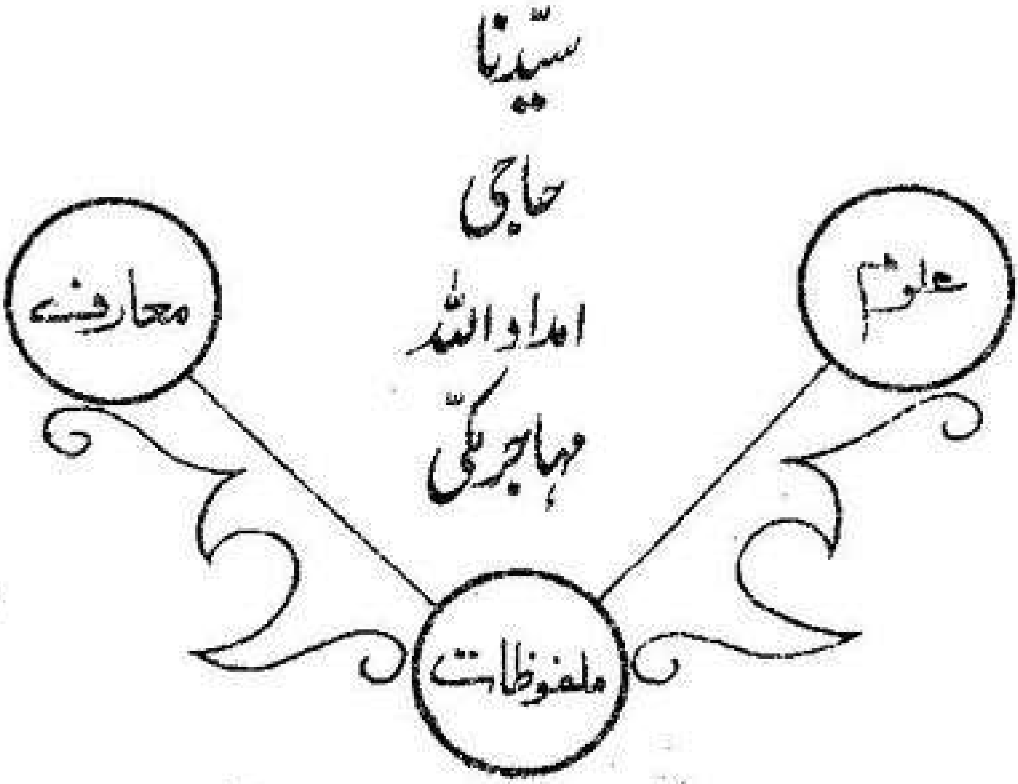

بروایت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

آیئے ! حضرت حکیم الامتؒ کی زبان سے حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے ملفوظات سنئے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت حاجی صاحبؒ کے ملفوظات بیان کر رہا تھا، ایک وکیل صاحب بیٹھے سن رہے تھے، اور مزے لے رہے تھے: ایک حالت ان پر طاری تھی، انہوں نے مجھے مخاطب کر کے یہ شعر پڑھا ؎

تو منور از جمالِ کیستی — تو مکمل از کمالِ کیستی

میں نے فی البدیہہ جواب دیا ؎

من منور از جمالِ حاجیم — من مکمل از کمالِ حاجیم

شروع میں "فرمایا" لکھوں گا جس سے مراد ہو گی حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا۔ آخر میں حضرت حکیم الامتؒ کے مواعظ حسنہ، ملفوظات اور تصانیف کا حوالہ بھی درج کر دیا جائے گا۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

فرمایا: محققین ذکر کیلئے یوں ہی فرماتے ہیں کہ خلوص قلب کا انتظار نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ جسطرح ہو ذکر کرنا چاہیئے۔ اس کی برکت سے شدہ شدہ خلوص بھی پیدا ہو جائے گا۔ یہ سب باتیں حضرت

حاجی صاحب قدس اللہ سرہم کے یہاں جاکر حل ہوئیں۔ چنانچہ حاجی صاحبؒ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ریا ہمیشہ ریا ہی نہیں رہتی۔ پہلے ریا ہوتی ہے، پھر عادت ہو جاتی ہے، پھر عبادت بن جاتی ہے۔ غرض ریا ہمیشہ ریا نہیں رہا کرتی آخر مبدل بخلوص ہو جاتی ہے۔ پھر وہ خلوص موجب قرب ہو جاتا ہے۔ (شکر النعمۃ بذکر رحمۃ الرحمۃ ص۵، فان الجنۃ ہی الماویٰ ص۲۶، فروغ الایمان ص۳)

۲۔ فرمایا: میں سچ کہتا ہوں کہ ان رسوم نے لوگوں کو خدا و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد سے بہت روک رکھا ہے۔ میں نے ایک واقعہ خود دیکھا کہ حضرت حاجی صاحبؒ سے ایک شخص نے بیعت کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ دوسرے وقت پر رکھو۔ دوسرے وقت اور چند آدمی بیعت ہونے آئے۔ حاجی صاحبؒ نے ان صاحب سے بھی فرمایا کہ بھائی آؤ تم بھی بیعت ہو جاؤ۔ تو آپ فرماتے ہیں، میں ابھی بیعت نہیں ہوتا۔ میں تو مٹھائی لاکر بیعت ہوں گا۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ ان رسوم نے کیسی لوگوں کی راہ مار رکھی ہے۔ بھلا اس سے بڑھ کر کیا خوش نصیبی تھی کہ شیخ خود بلائے کہ آؤ ہم تمہارے خریدار ہیں، اور عاشق صاحب ہیں کہ مٹھائی نہ ہونے کی وجہ سے رکے جاتے ہیں۔ بس سوا اس کے کہ تعلق کی کمی ہے، اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ بس اگر محبت ہے تو یہ قیود خود ہی معلوم ہو جائے گا۔ کہ کس قدر مانع ذکر ہیں۔ (شکر النعمت بذکر رحمت الرحمۃ ص۱۳)

۳۔ فرمایا: حضرت حاجی صاحب کا قول ہے کہ میں خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا اور اگر مخلوق میں کچھ ڈر ہے تو اپنے نفس کا۔ ان میں سے ایک خوف عظمت کا ہے یعنی وہ خوف جسکی وجہ عظمت ہو یہ تو خدا سے چاہئے۔ اور ایک خوف مضرت یعنی نقصان کا ہے۔ یہ خوف نفس سے چاہئے۔ بس اس کے سوا کوئی خوف مسلمان کے پاس نہیں آسکتا۔ اسی بارے میں کہا ہے۔

موحد چہ در پائے ریزی زرش   چہ شمشیر ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نباشد ز کس   ہمیں ست بنیاد توحید و بس

موحد اور عارف کے قدموں میں خواہ سونا بکھیر دیں یا اس کے سر پہ تلوار رکھیں۔ امید اور خوف اسکو بجز خدا کے کسی سے نہیں ہوتا۔ توحید کی بنیاد بس اسی پر ہے۔ (الظاہر ص۲۰)

۴۔ فرمایا: حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگ عاشق احسانی ہیں، عاشق ذاتی یا صفاتی نہیں کیونکہ عاشق کی تین قسمیں ہیں۔ ۱۔ عاشق ذاتی ۲۔ عاشق صفاتی ۳۔ عاشق احسانی۔ عاشق ذاتی تو محض محبوب کی ذات کو ہی محبت کے قابل سمجھتا ہے، چاہے اس میں

کوئی کمال نہ ہو، عاشق صادق محبوب سے بوجہ اس کے کمالات کے محبت کرتا ہے، تو فرمایا کہ بھائی ہم لوگ عاشقِ احسانی ہیں۔ جب تک راحت سے گزرتی ہے تو محبت قائم رہتی ہے، اور اگر ذرا ادھر سے عطا میں کمی ہو جاتی ہے تو ہماری محبت کمزور ہو جاتی ہے، اسی لئے حضرت حاجی صاحبؒ ترکِ لذات کا امر نہ فرماتے تھے، بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ خوب کھاؤ پیو اور کام کرو۔ اس کا راز یہ ہے کہ پہلے زمانے میں لوگوں میں قوت تھی۔ اس لئے راحت و تکلیف دونوں حالتوں میں ان کو حق تعالیٰ سے تعلق یکساں رہتا تھا۔ اور اب ضعف ہے۔ اگر مزید نعمتیں ملتی رہیں تب تو حق تعالیٰ سے محبت رہتی ہے، اور نہیں تو مشقت و تکلیف میں وہ حالت نہیں رہتی اور فرمایا یہی راز ہے کہ شریعت نے حج کے واسطے زاد و راحلہ کی شرط لگائی، کیونکہ ہم لوگ عاشقِ احسانی ہیں۔ جب راحت کے ساتھ حج کریں گے تو خدا تعالیٰ کے ساتھ محبت زیادہ ہوگی۔ اور اگر زاد و راحلہ نہ ہو تو بجائے محبت کے اور دل میں رکاوٹ پیدا ہوگی۔ مگر یہ زاد و راحلہ کی قید انہیں ضعفاء کیلئے ہے جو کہ عاشقِ احسانی ہیں، ورنہ اقویاء کی بابت تو خود نص میں ذکر ہے۔ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ۝

حق تعالیٰ شانہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کر دو۔ لوگ آپ کے پاس پیدل اور دُبلی اونٹنیوں پر سوار ہو کر آئیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض لوگ پیدل بھی آئیں گے جن کے پاس زاد و راحلہ نہ ہوگا اور ان کو پیدل جانے میں گناہ بھی نہ ہوگا۔ کیونکہ حق تعالیٰ اس مقام پر ان آنے والوں کی مدح فرما رہے ہیں کہ پیدل آنے والے بھی حق تعالیٰ کے یہاں ممدوح ہوں گے۔ تو یہ لوگ ضعفاء نہیں۔ اقویاء ہیں۔ جنکے واسطے زاد و راحلہ کی کوئی قید نہیں۔ ان کو اس سفر کی کسی کلفت سے پریشانی نہیں ہوتی۔ (شکر النعمۃ بذکر رحمۃ الرحمۃ صـ۵۶)

۵۔ فرمایا: یہ مسئلہ حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں جا کر حل ہوا۔ حاجی صاحبؒ سے جب کوئی یہ کہتا کہ حضرت نوکری چھوڑ دوں تو آپ ارشاد فرماتے کہ نوکری مت چھوڑو، تم کام میں لگے رہو، کام کرتے کرتے پھر تم خود ہی چھوڑ دو گے کسی سے پوچھو گے بھی نہیں، سبحان اللہ بڑے محقق تھے۔ (شکر النعمۃ بذکر رحمۃ الرحمۃ صـ۱۱)

۶۔ فرمایا: حضرت فرماتے تھے ملازمت ترک کرانے کی کیا ضرورت۔ جب اللہ تعالیٰ کا نام دل میں گھر کرے گا، وہ خود ہی چھوڑ دے گا۔ مشہور ہے، آب آمد و تیمم برخاست ۔

عشق آں شعلہ است کو چوں برفروخت
ہر کہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

ہاں یہ حکم ایسے شخص کیلئے ہے جس کے کھانے پینے کی کوئی سبیل نہ ہو، کہ ایں بلا دفع بلاہائے بزرگ ۔۔۔ اور اگر کسی شخص کے پاس کوئی ایسا ذریعہ موجود ہے تو اسکو یہی مناسب ہے کہ اس پر قناعت کرے اور یاد خدا میں مشغول ہو۔ عارف رومی

خوشا روزگارے کہ دارد کسے ۔۔۔ کہ بازار حرصش نباشد کسے

بقدر ضرورت یسارے بود ۔۔۔ کند کارے مرد کارے بود

(تفاضل الاعمال صـ۱۹)

۷۔ فرمایا: کہ حضرت حاجی صاحبؒ کا ارشاد ہے کہ جس قدر نظر وسیع ہوتی جاتی ہے۔ اعتراض کم ہوتا جاتا ہے۔ (ملفوظات کمالات اشرفیہ صـ۵۴)

۸۔ فرمایا: ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ آجکل ولی بننا دو پیسہ میں آتی ہے۔ ایک پیسہ کا گیرو لیا اور ایک پیسہ کی تسبیح۔ گیرو اکپڑے رنگ لئے اور تسبیح گھمانی شروع کی۔ اگر زندگی میں بھی ولی نہ ہوئے تو مرنے کے بعد ولی بنا دینا طوائف کے قبضہ میں ہے۔ انکی قبر پر ایک بار مجرا کرلیا، وہ ولی ہو گیا۔ (الظاہر صـ۵)

۹۔ فرمایا: کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں کسی کی شکایت سنی نہیں جاتی تھی اور نہ کسی سے بدگمان ہوتے تھے۔ اگر کوئی کہنے لگا اور حضرت بوجہ حلم منع بھی نہ کرتے، مگر جب وہ کہہ لیتا تو فرماتے کہ وہ شخص ایسا نہیں ہے۔ (یعنی تم جھوٹے ہو) ۔۔۔ (ملفوظات کمالات اشرفیہ صـ۵۴)

۱۰۔ فرمایا: اپنے شیخ سے کوئی فرمائش خود کرنا بدتمیزی ہے۔ شیخ سے اگر کوئی حالت مخفی ہو تو کہہ دے۔ باقی طریقہ تعلیم اسکی رائے پر چھوڑ دے۔ اوّل تو شیخ خود ہی تجویز کر لیتا ہے تاکہ اس کے موافق علاج کر سکے۔ چنانچہ ہمارے حضرتؒ طالبین سے اتنے حالات معلوم کرتے تھے، فرصت[۱] کتنی ہے، آمدنی[۲] کیا ہے، اور کتنی[۳] ہے۔ صحت[۴] کیسی ہے۔ تعلقات[۵] کیا کیا ہیں، قوت[۶] کتنی ہے۔ کیونکہ قوت سے زیادہ کام نہیں بتانا چاہئے ۔

خستگاں را چوں طلب باشد و قوت نبود ۔۔۔ گر تو بیداد کنی شرط مروت نبود

اور اسی طرح وہ عوام کو اشغال نہیں بتلاتے، اعمال بتلاتے ہیں، کیونکہ وہ اشغال کے ثمرات کے متحمل نہیں ہوں گے ۔

چار پارا قدر قوت بار نہ ۔۔۔ بر ضعیفاں قدر ہمت کار نہ

چار پاؤں پر بقدر قوت بوجھ لادو اور کمزوروں کو بقدر ان کی ہمت کے کام دو، کیونکہ ۔

طفل را گر ناں دہی برجائے شیر ۔۔۔ طفل مسکیں را ازاں ناں مردہ گیر

بچہ کو اگر بجائے دودھ کے روٹی دو گے تو بچارے طفل کو اس روٹی سے مردہ بیان لو (الظاہر ص۲۹)

۱۱۔ فرمایا: کہ حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص کسی کے پاس اللہ کے واسطے کوئی چیز لائے تو اسکو ضرور کھانا چاہیئے، اس سے نور پیدا ہوتا ہے۔ (ملفوظات کمالات اشرفیہ ص۳۵)

۱۲۔ فرمایا: کہ حضرت حاجی صاحبؒ کی یہ حالت تھی کہ اپنے ہر ہر خادم کو اپنے سے افضل سمجھتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ آنے والوں کے قدموں کی زیارت کو اپنے لئے ذریعہ نجات سمجھتا ہوں حضرتؒ پر شانِ عبدیت کا غلبہ رہتا تھا۔ مطلب یہ کہ اپنی اہلیت کا اعتقاد نہ رکھے، تمنا کی ممانعت نہیں۔ (ملفوظات کمالات اشرفیہ ص۴۶)

۱۳۔ فرمایا: کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے طریق کا حاصل یہ ہے کہ باطن میں عشق و سوز ہو اور ظاہر میں اتباع (شریعت) ہو اور بزرگی وہ ہے جس میں بزرگی مٹ جائے مگر بدوں بزرگی پہلے ہوئے فنا حاصل نہیں ہوتا، جیسے آم میں شیرینی جب آتی ہے کہ پہلے ترشی آئے۔ شیرینی کی قابلیت ترشی سے ہوتی ہے، جیسے آم میں شیرینی نہ آئے تو وہ شیریں نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا مزہ خراب رہتا ہے، اسی طرح بزرگی درمیان میں آتی ہے پھر فنا حاصل ہوتا ہے۔ (ملفوظات کمالات اشرفیہ ص۱۲۷)

۱۴۔ فرمایا: جتنا کوئی محقق ہو گا، اتنا ہی بدنام ہو گا۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ اسکی نظر گہری ہوتی ہے۔ لوگ وہاں تک پہنچتے نہیں، بظاہر اسکی باتیں ان کو خلافِ معلوم ہوتی ہیں۔ اس لئے کفر تک فتویٰ قائم کر دیتے ہیں۔ اس لئے محققین ہمیشہ بدنام ہوئے ہیں۔ مگر کیسے لوگ تھے کہ بڑی بڑی تصنیفات کی ہیں کہ عادتاً قلیل عمر میں ایسا ہونا دشوار ہے۔ اور پھر یہ کہ عبادت بکثرت کرتے تھے۔ ہم لوگ اگر دو سو رکعت نفل پڑھیں تو اور سب کاموں کو چھوڑ دیں تو ایسا کر سکتے ہیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ جب انسان کو عالم ارواح سے مناسبت ہو جاتی ہے۔ تو وہ زمان و مکان کے ساتھ زیادہ مقید نہیں رہتا۔ اس کے کام میں برکت ہونے لگتی ہے۔ یہ حضرات متقدمین ایسے ہی تھے اور اس برکت میں زیادہ دخل تقویٰ کو ہے ——— (ملفوظات کمالات اشرفیہ ص۱۵۴)

۱۵۔ فرمایا: کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے وجدان میں مردوں کو برابر ثواب پہنچتا ہے۔ لیکن حضرت مولانا گنگوہیؒ کا گمان غالب اس کے خلاف تھا۔ عرض کیا گیا کہ حضور (حضرت حکیم الامتؒ) کا گمان غالب کیا ہے، فرمایا کہ میرا گمان یہی ہے کہ کسی گمان کی ضرورت نہیں۔ پھر فرمایا کہ ادب یہ ہے کہ کچھ پڑھ کر علیحدہ بھی صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو بخش دیا کرے،

خواہ زیادہ کی ہمت نہ ہو، مثلاً تین بار قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھے۔ ایک کلام مجید کا ثواب پہنچ جائیگا۔ پھر اپنا معمول بیان فرمایا کہ میں جو کچھ روزمرہ پڑھتا ہوں۔ اس کا ثواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور تمام انبیاء و صلحاء و عام مسلمین و مسلمات کو جو مر چکے ہیں، یا موجود ہیں، یا آئندہ پیدا ہوں سب کو بخش دیتا ہوں اور کسی خاص موقع پر کسی خاص مردہ کیلئے بھی کچھ علیحدہ پڑھ کر بخش دیتا ہوں۔ استفسار پر فرمایا کہ زندوں کو بھی عبادت کا ثواب پہنچتا ہے۔ (ملفوظات، کمالات اشرفیہ صہ ۱۹۱)

۱۶۔ فرمایا: کہ حضرت حاجی صاحبؒ سے اگر کوئی ذکر و شغل کا نفع ظاہر کرتا تو فرماتے استعداد تو تمہارے اندر خود موجود تھی میرے ذریعہ سے صاف ظاہر ہو گئی، لیکن تم الٹا مت سمجھنا، تم یہی سمجھنا کہ مجھ سے تم کو یہ نفع پہنچا ہے، ورنہ تمہارے لئے مضر ہوگا۔ یہ شان اہل مقام ہی کی ہوتی ہے۔ ورنہ اہل حال ایک ہی بات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں، دوسرے پہلو پر انکی نظر نہیں جاتی۔ (ملفوظات کمالات اشرفیہ صہ ۱۹۳)

۱۷۔ فرمایا: کہ حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جائے بزرگاں بجائے بزرگاں۔ اس پر جناب خواجہ صاحب (حضرت مولانا عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ) نے عرض کیا کہ حضور حضرت حاجی صاحبؒ کے حجرے میں کبھی نہیں بیٹھے۔ فرمایا کہ مجھ پر توحید کا غلبہ ہے۔ اس لئے ایسے امور کی طرف مجھے التفات نہیں۔ مجھے عقیدت تو بے حد ہے بزرگوں کے ساتھ مگر جوش کے درجہ میں نہیں۔ عرض کیا گیا حضور کو عقیدت عقلی ہے طبعی نہیں۔ فرمایا کہ جی نہیں عقیدت طبعی ہے۔

موتیاروک

• موتیاروک موتیابند کا بلا اپریشن علاج ہے۔
• موتیاروک دھند، جالا، پھولا، ککروں کیلئے بھی مفید ہے۔
• موتیاروک بینائی کو تیز کرتا ہے اور چشمہ کی ضرورت نہیں رکھتا۔
• موتیاروک آنکھ کے ہر مرض کیلئے مفید تر ہے۔

بیت الحکمت لوہاری منڈی لاہور

دعوات حق
حصہ اول
حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کے بلند پایہ اور حکمت آفرین مواعظ اور خطبات کا مجموعہ — آفسٹ کی طباعت دو سو سے زائد صفحات
قیمت صرف تین روپیہ
ملنے کا پتہ
مولانا محمد عبدالرحمن صدیقی
مکتبہ حکمت اسلامیہ
نوشہرہ صدر

مدنی شیخ رح کی مجلس میں

جامع و مرتب

احقر سمیع الحق غفرلہ بزمانہ قیام مدینہ ۱۳۸۳ھ

مقام

مدینہ طیبہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

زمانۂ ملفوظات

۲۲ رمضان المبارک تا ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۸۳ھ

۱۳۸۳ھ میں مدینہ طیبہ کی پہلی حاضری اور طویل قیام کے دوران حق تعالیٰ نے حضرت مولانا عباسی مرحوم کی مجالس میں شمولیت اور بعض دفعہ ارشادات قلمبند کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ پھر یہ ملفوظات صاحب ملفوظات کو سنانے اور ان میں اضافہ و ترمیم کرانے کا موقعہ بھی ملا، اب انہیں قارئین الحق کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے ——— سمیع الحق

فرمایا: مولانا خالد رومی بہت بڑے عالم اور بزرگ ہیں کردستان کے باشندے تھے، علوم معقول و منقول، فلسفہ، دینیات، علم اسطرلاب و مساحۃ و ہندسہ کوئی فن فنون اور علوم کا ان سے نہیں چھوٹا تھا، اسی طرح علوم ریاضی میں جامع عالم تھے، نہایت استحضار تھا۔ رشحات ایک کتاب علم تصوف میں ہے، اس کے حاشیہ پر مولانا کے حالات تھے۔ اس میں یہ قصہ لکھا ہے کہ میں باوجود ان تمام علوم و فنون کے اپنے قلب کو خالی پاتا تھا، نہ ذوق تھا نہ شوق اور نہ ذات حق سے لگاؤ۔ نہ جمعیت خاطر اور نہ قلب میں سکون پاتا تھا۔

اس دوران حرمین الشریفین حاضر ہوا اصل مقصود حج و زیارت تھا، مگر ایک کامل و مکمل شیخ سے ملنے کا داعیہ بھی دل میں تھا کہ قلب سے جمود ختم ہو جائے۔ پہلی حاضری مدینہ منورہ ہوئی۔ مشائخ، فقراء، صلحاء سے طمانیت قلب کی تلاش میں ملنے لگا۔ یہ زمانہ دولت ترکیہ کا تھا۔ مشائخ اور صوفیاء پر بھی بندش نہ تھی، حرم نبوی ہی میں سب خدمتیں درس اور ارشاد و اصلاح کی ہوتی تھیں۔ مسجد میں علماء کا مجمع لگا تھا، میں بھی حاضر ہوا، ایک بزرگ تقریر فرما رہے تھے کہ تین چیزیں جس بندہ کو خدا نے دیں وہ بڑا خوش نصیب ہوگا۔ ۱۔ علم شریعت جو اساس اور بنیاد ہے ورنہ غلط راستہ پر بھٹک جانے کا

احتمال ہوتا ہے۔

۲۔ عقیدہ اہل سنت والجماعت رکھتا ہو نہ وہابی ہو کہ لامذہب نہ ہو، نہ بدعتی ہو کہ شرک و رسوم اور بدعات میں گرفتار ہو جائے۔

۳۔ اس کا سلسلہ حضرات نقشبندیہ سے قائم ہو، نسبت نقشبندیہ اس کو حاصل ہو۔

مولانا خالد رومی نے فرمایا: کہ میں نے سوچا کہ الحمدللہ خدا نے عالم شریعت بھی بنایا علم بھی صحیح دیا ہے، اور عقیدہ بھی صحیح ہے، لیکن تیسری چیز کی کمی ہے کہ قلب نسبت سے خالی ہے۔ میں نے مجمع سے دعا کی درخواست کی کہ خداوند تعالیٰ نسبت بھی صحیح عطا کر دے، سب نے مسجد نبوی میں میرے لئے دعا فرمائی۔ اس کے یہاں کے ایک یمانی فقیر سے میرا لگاؤ ہوا مگر اتنا نہیں کہ ان سے ارتباط قائم کروں صرف اس کی مجلس میں شرکت کرتا، اور جس وقت میں نے مکہ معظمہ جانے کا ارادہ کیا تو ان کی خدمت میں حاضر ہوا کہ شیخ دعا میں یاد فرمایا کریں اور مکہ معظمہ کے بارہ میں کچھ وصیت بھی فرمادیں، دعا فرمائی اور وصیت بھی کی کہ وہاں وقت ضائع نہ کرنا بلکہ سارے اوقات، طواف، نفل، تلاوت، ذکر اور قضا نمازوں کے اعادہ وغیرہ عبادات میں لگانا اور حرم مکہ میں کسی پر تنقید و جرح سے ہر حالت میں بچنا اپنے کام میں لگے رہنا۔ (اس کے بعد ان سے رخصت لیکر مکہ معظمہ گیا۔) اور جس وقت میں نے طواف قدوم شروع کیا تو اسی اثنا میں ایک شخص کو دیکھا جو شاذروان[1] کعبہ کو تکیہ لگائے بیٹھا ہے، سرخ ڈاڑھی رکھتا ہے۔ مجھے خیال ہوا کہ ہم لوگ بلاد بعیدہ نائیہ[2] میں رہ کر خانہ کعبہ کے جہت کو پیٹھ اور پاؤں تک نہیں پھیلاتے اور اس گستاخ نے عین خانہ کعبہ کو پیٹھ کر کے تکیہ لگایا ہے، اس خیال کا آنا تھا کہ اس شخص نے کہا کہ: انسیت نصیحۃ الشیخ الیمانی[3] میں سمجھا کہ یہ تو کوئی صاحب کشف ہے، میری تنقید اور اعتراض کا کشف اس کو ہوا، میں نے جلدی سے اس کے پاس دوڑا اور عرض کیا کہ: علمنی مما علمک اللہ[4] اور عرض کیا کہ میں عرصہ سے کسی شیخ کامل کی تلاش میں ہوں، انہوں نے ہندوستان میں شاہ غلام علی دہلوی مجددی کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہاں جائیے، میں سمجھا کہ نصیب حجاز مقدس میں نہیں ہے جس طرح جسمانی ارزاق مقرر ہیں اسی طرح روحانی غذا اور ارزاق بھی مقدرات خداوندی میں سے

---

[1] خانہ کعبہ کے چاروں طرف پشتابی کے طور پر جو پتھر ہے اُسے شاذروان کہتے ہیں [2] دور دراز شہر
[3] تم یمنی شیخ کی نصیحت بھول گئے۔ [4] اللہ کے دیئے گئے علم سے مجھے بھی کچھ سکھا دیجئے۔ "سمیع"

ہیں۔ یہ بھی غذائے روح ہے۔ الغرض ہندوستان روانہ ہو کر پہلے پانی پت میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ سے ملاقات کی وہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے خلیفہ تھے، اور شاہ غلام علی بھی، عالم را عالم و ولی را ولی می شناسد، خالد رومی کی گفتگو قاضی صاحب نے سنی تو پہچان گئے کہ عالم اجل ہے، حضرت قاضی صاحب بھی بہت بڑے پایہ کے بزرگ اور عالم تھے تفسیر مظہری ان کی تصنیف ہے، خیال آیا کہ حضرت خالد رومی کچھ فیض ان سے حاصل کرلیں جب توجہ دینے لگے تو اتنے میں توجہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی کا تمثال ان کو ظاہر ہوا، فرمایا جاؤ تمہاری قسمت شاہ دہلوی کے ہاں ہے۔ ادھر شاہ دہلوی کو ان کی آمد کا علم ہوا، تو خدام جماعت سے ہدایت کی کہ جاؤ ایک عالم جلیل بقصد اصلاح باطن میرے پاس آرہا ہے، الہامات صحیحہ تھے، کشف و انوار تھے تو فرمایا کہ جس وقت وہ آجائیں تو اس کا اکرام کر کے یہاں لے آؤ ــــ یہی زمانہ ہمارے شاہ احمد سعید مدنی اور ان کے بھائی شاہ عبدالغنی مجددی کا تھا۔ یہ دونوں حضرات یہاں بقیع میں مدفون ہیں، اور اسی زمانہ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مکہ معظمہ میں تھے، دہلی میں جب غدر ہوا تو شاہ احمد سعیدؒ وہاں سے نکلے، جامع مسجد دہلی میں جہاد کا علم اٹھایا پھر قلعہ ہمایوں میں تین دن چھپے رہے، انگریزوں کا وارنٹ لگا رہا۔ پھر ڈیرہ اسمٰعیل خان وغیرہ قبائلی علاقوں سے چھپ چھپا کر نکلے اور مدینہ طیبہ روانہ ہوئے، بہر حال خدام نے حضرت خالد رومی کو شاہ غلام علی صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا، انہوں نے بلا انتظار اشارۂ باطنی سے انہیں بیعت کر دیا تو بیٹھے وہاں رہے اور برابر سقاوہ وضو خانہ وغیرہ میں خشک ہیر بھر کر ڈالتے رہتے کہ مہمان اس سے وضو کریں اور حلقہ میں بھی تادباً و تواضعاً مع الشیخ صف نعال میں بیٹھتے، شیخ نے خلافت مطلقہ کی اجازت دی اور فرمایا: ہر چہ بُرد کردی ہمراہ خود بُرد[1] ــــ ویسے ہی ہوا، مولانا خالد رومی کا لقب علوم ظاہری و باطنی دونوں میں تکمیل کی وجہ سے ذوالجناحین ہے یعنی دو پروں والے تھے، علوم تو ان لوگوں کے تھے کہ کمال علمی بھی اور پھر کمال نسبت بھی رکھتے تھے، رخصت ہوتے وقت اپنے شیخ سے کہا کہ حضرت جس علاقہ اور ملک میں میرا جانا ہے وہاں رفاعیہ اور شاذلیہ وغیرہ سلسلے ہیں، نقشبندیہ کو کوئی نہیں پہچانتا، فرمایا جاؤ وہ لوگ تمہارے ہاتھ چومیں گے، تم ہی تم ہوگے، استقامت سے لگے رہو۔ پھر کیا ہوا۔؟ عجیب فیضان جاری ہوا اور شاہ دہلوی کے زمانہ میں ایسا فیضان کہ سبحان اللہ عجیب حالت تھی، مقبولیت کی وجہ سے علماء اور

---

[1] یعنی جو کچھ بھی تھا کردی عالم اپنے ساتھ لے گیا۔

مشائخ رسم ورواج نے مخالفت شروع کر دی یہاں تک کہ ان کی تکفیر پر رسالہ لکھا گیا۔ چھپ گیا تو بادشاہ وقت کو بھی پیش کیا گیا، بادشاہ نے پڑھ کر شیخ کو حاضر ہونے کا حکم دیا کہ ان کی صورت سیرت، گفتار و کردار بھی تو دیکھ لوں، اس وقت کے سلاطین زمانہ بھی تو دماغ رکھتے تھے، کلام، صورت، سیرت دیکھ کر کہنے لگا کہ یہ شخص بھی کافر ہے تو پھر اس ملک میں مسلمان ہے ہی نہیں۔ پھر تو اتنا عروج ہوا کہ اللہ اکبر بادشاہ خود عقیدتمند ہوا اور اجازت وعظ و ارشاد کی دیدی۔ مخالفین بھی اپنے کام میں لگے رہے، ایک شخص نے مریدوں کو پریشان کرنے کی خاطر ایک دفعہ ختم خواجگان کے دوران آکر کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تمہاری آنکھیں نکالی گئی ہیں، کان اور زبان کاٹے گئے ہیں، اس کا خیال یہ تھا کہ معتقدان یہ سن کر بدظن ہو جائیں گے۔ شیخ سمجھ گئے اور فرمایا کہ یہ تو بڑا مبارک خواب ہے، اور کہا کہ آنکھیں محرمات سے نکالی گئی ہیں، زبان اور کان جھوٹ اور فواحش بولنے اور محرمات و منکرات دیکھنے سننے سے روک دی گئی ہیں، پاؤں منکرات کا قصد کرنے سے روک دئے گئے ہیں۔ یہی تیرے خواب کی تعبیر ہے پھر ایک معقول انعام بھی اس شخص کو دیدیا وہ شخص نہایت شرمندہ ہوا معافی مانگی اور صحیح واقعہ بیان کیا کہ مخالفین کی سازش اور پیسوں کے لالچ میں میں نے یہ کام کیا۔ الحمد للہ کہ خدا نے مجھے ہدایت دی اور ان کے مقررہ پیسوں سے زیادہ انعام سے بھی نوازا، اب تو ان کا انکے ممالک میں ایسا فیض ہے کہ خود نقشبندیہ کا نام بھی نہ رہا، جب کسی سے پوچھو من انت تو جواب میں انا خالدی (میں خالدی ہوں) سنیں گے، یہ خواجہ دہلوی کا فیض ہے کہ عالم میں حضرت خالد رومی نے اسے منتشر کر دیا تو علم ہو، صحیح اور اس کے ساتھ ایسا فیض تب مخلوق کو فائدہ ہوتا ہے۔

فرمایا: ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ یہ کام علماء کا ہے، مثلاً کل آپ نے صفات سلبیہ اور شئونات کے بارہ میں پوچھا تھا، اور میں نے بتلا دیا کہ سلبی صفات میں نفی کا معنی موجود ہے۔ قدم، حدوث کی نفی کرتا ہے۔ قائم بالذات، نفی قیام بالغیر کی کرتا ہے۔ مخالفت مع الحوادث سے مشابہت مع الحوادث کی نفی ہوتی ہے۔ اسی طرح وحدانیت بھی سلبی صفت ہے کہ ذات اور صفات میں ان کی شبیہ کی نفی اس سے ہوتی ہے۔۔۔۔ اسی طرح ذات وصفات کی درمیانی حالت کا نام شئون ہے۔ مثلاً قدرت صفت اور قدیر اسم ہے اللہ کا۔۔۔ رحمت صفت اور رحیم اسم ہے۔ یعنی مشتقات اسماء ہیں اور مشتق منہ صفات ہیں۔ اسی طرح تکوین صفت ہے اور مکون اسم ہے۔ کلام صفت اور متکلم اسم ہے۔۔۔۔ اب ذات وصفات

کے درمیان جو حالت ہے اُسے شان کہتے ہیں، یہ صفت اعتباری ہے۔ جیسے بین الموضوع والمحمول نسبت رابطی ہوتا ہے، مثلاً عالمیت ذات حق اور علم کے درمیان کی چیز ہے۔ ؟ اب ان باتوں کو عوام کیا جانیں ان کو تو سرسری اذکار اور لطائف بتا دیئے جاتے ہیں۔

فرمایا: اس تصوف اور اصلاح باطن کے طرق پر ہزاروں کروڑوں لوگ متفق چلے آرہے ہیں، اور صرف عوام ہی نہیں بلکہ اہل حق اور علماء اجلہ۔ ایسے اشرف علم کی مخالفت غلط چیز ہے، اسی طرح مذاہب اربعہ پر اجماع ہے کہ حق ان میں دائر ہے۔ تو اس کی مخالفت غلط چیز ہے۔ ان علماء فقہا اور صوفیہ کے مقامات تک کوئی نہیں پہنچتا، لوگ آجکل غلط قسم کی صحبتوں سے برا اثر لیتے ہیں۔ موالک، شوافع، حنابلہ، احناف، سب میں بے حد و حساب صوفیاء عارفین اور بزرگ گذرے ہیں۔

فرمایا: امام احمدؒ نے امام شافعیؒ پر اعتراض کیا کہ تم کیوں ایک شیبانی چرواہے کی طرف دوڑتے پھرتے ہو، اس میں تو نے کیا دیکھا ہے، انہوں نے فرمایا کہ چلو تم بھی ایک دن میرے ساتھ چلو۔ لے گئے، سوال کیا فی کم کم ۔۔؟ (کتنے میں کتنا ہے؟) اس نے جواب دیا کہ شریعت میں یا طریقت میں، شریعت میں تو فی اربعین شاۃ شاۃ ہے (چالیس بھیڑوں میں ایک زکوٰۃ میں دینی ہے) اور طریقت میں تو سب کچھ اللہ کا ہے، ہمارا کچھ بھی نہیں ہے۔

فرمایا: اگر یہ چیز (اخلاص اور خشیت) حاصل ہو تو مقصد حاصل ہوگا ورنہ "راہ ہے کہ تو می روی بترکستان است" والا معاملہ ہوگا۔ اگر اخلاص ہو اور ریا و خودی سے ہر عمل دور ہو تو مزا ہے اور یہ روح ہے تمام علوم کی۔ لیکن اخلاص اور جمعیت قلب ارباب اخلاص وجمعیت کی مصاحبت سے پیدا ہوتی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: المرء علی دین خلیلہ فلینظر من یخالل۔ ــــ دیندار سے دوستی کرو گے تو دین آئے گا بددین سے صحبت ہوگی تو بددینی پیدا ہوگی۔ جو لوگ غلط صحبت میں جائیں گے، تو تمام حالات اور معاملات غلط ہو جائیں گے۔ اچھی صحبت میں صفات حمیدہ پیدا ہوں گے، اور صفات ذمیمہ کٹ جائیں گے۔ اور یہ چیز حاصل ہوتی ہے دوام ذکر سے۔ اگر شیخ متقلد ہو، معتقد صوفیاء ہو، وہابیت وغیرہ سے دور ہو مگر ضرور رنگ چڑھتا ہے خالی نہیں رہتا۔ آجکل یا تو ذکر نہیں، اگر ہے تو اتباع سنت نہیں، عقیدہ نہیں غلط رسموں سے نہیں بچتے، سلف صالحین کے طرق پر نہیں چلتے، لوگ لہو الحدیث میں گرفتار ہیں، رات بھر گانے سنتے ہیں، ڈھول سنتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کے سننے سے انوار پیدا ہوتے ہیں، توحید کا مادہ بڑھتا ہے۔

کیونکہ یہ ذات پاک کا کلام ہے، اس کے پاک اثرات ہیں، کسی منافق کے کلام کے اثرات بھی غلط ہوتے ہیں، ظلمت ہوتی ہے دل مردہ ہوتا ہے۔

فرمایا: پہلی مرتبہ جب حج کر کے میں مدینہ طیبہ حاضر ہو کر جالی مبارک کے سامنے کھڑا ہوا تو جالی مبارک سے اتنی خوشبو آرہی تھی کہ میرے منہ سے بے اختیار نکلا کہ یہ کافر لوگ کیوں یہاں نہیں آتے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر کے ایمان لے آئیں اور وہ خوشبو ایسی تھی کہ مجھے دماغ تک محسوس ہوتی تھی۔

اسی دوران ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ مواجہ شریف کے سامنے کھڑا ہوں، حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر شریف سے فیض و انوار اٹھتے ہیں۔ اور امواج کی طرح جالی مبارک سے نکل کر میرے قلب کی طرف آتے ہیں اور میں کہتا ہوں کہ الحمدللہ جو فیض بالواسطہ ملتا تھا اب بلا واسطہ مل رہا ہے اور مجھے حیرانی ہے کہ میں اس فیض کو کیسے برداشت کر سکوں گا۔ جب خواب سے بیدار ہوا تو عجیب خوشی اور انشراح کی کیفیت تھی۔

رحمت کا وہ عظیم الشان دریا اب بھی مدینہ طیبہ میں بہتا ہے، میرا مشاہدہ ہے اور مجھے اس خواب کی حلاوت بھی کافی عرصہ تک محسوس ہوتی تھی، پھر ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک مقفل ہے، اور اسکی چابی مجھے دی گئی ہے۔ میں نے چابی لی دروازہ کھولا اندر دیکھا تو اوپر نیچے گلاب کے پھول دیکھے اور درمیان میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا اور بے حد خوش ہوئے۔ میں نے دل میں کہا کہ میرے متعلقین اور احباب وغیرہ کہاں ہیں کہ انہیں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کراتا اٹھا تو بے حد بشاشت تھی۔ میں اب بھی وہ کیفیت نہیں بھول سکتا۔

اسی طرح میں نے اپنے ملک میں ایک دفعہ خواب دیکھا کہ گاؤں میں ہمارے اپنے گھر سے مسجد کی طرف حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جا رہے ہیں، حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے فرمایا: کہ میں آپ کو بیعت کرانا چاہتا ہوں"۔ میں نے کہا کہ حضور میں تو بزرگان نقشبندیہ سے بیعت ہوں جن کا سکونت مدینہ طیبہ میں باب جبریل کی طرف بقیع میں ہے۔ فرمایا ہاں میں تمہیں خود اہل بیعت کے سلسلہ میں بھی بیعت کرنا چاہتا ہوں قادری سلسلہ میں۔ میں نے وضو کیا پھر مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بیعت فرمایا یہ انہی کا فیض ہے کہ جہاں بھی جاتا ہوں لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ اور میرے نزدیک خواب اولیٰ ہے یقظۃ اور کشف سے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من رانی فی المنام فقد رأی الحق (اوکما قال علیہ السلام)

مجھے اس زمانہ میں علم نہ تھا کہ باب جبریل کی طرف شاہ ابو سعیدؒ اور شاہ احمد سعیدؒ، شاہ عبدالغنی مجددیؒ دہلوی حضرت آدم بنوریؒ سیدنا عثمان بن عفانؓ کے پہلو مبارک میں دفن ہیں۔ اب میں جب بھی جاتا ہوں وہاں فاتحہ پڑھتا ہوں[1]۔

بزرگان دیوبند کے اسانید میں ان حضرات کا نام نامی موجود ہے۔ حضرت شاہ احمد سعید مجددی علیہ الرحمۃ کا مسجد نبوی میں حلقہ ہوتا تھا۔ لکھا ہے کہ فرماتے کہ میں دیکھتا ہوں کہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام بعض حضرات کو خود توجہ دیتے ہیں، بڑے متورع بزرگ تھے، اور حاجی صاحب مرحوم کا زمانہ پایا تھا۔ یہ کہنے کی باتیں نہیں تھیں مگر اس وقت زبان پر آگئیں۔

گرچہ من ناپاک ہستم خود را بپاکاں بستہ ام

بحمداللہ میری زنجیر اور رشتہ اوپر سے مضبوط ہے، میں غلط باتوں کی تلقین نہیں کرتا، مقصد احیاء سنن ہے، ترویج شریعت ہے اس لئے باہر جاتا ہوں اگر یہ چیز نہ ہوتی تو مدینہ طیبہ سے باہر کبھی بھی نہ نکلتا۔ میں خود جاتا نہیں وہ لوگ بلاتے ہیں، بحمداللہ ڈاکو اور چرسی قسم کے لوگ ان اسفار میں تائب ہو گئے ہیں یہ محض خدا کا فضل ہے، یہ میرا کام نہیں قدرت کا فضل ہے۔ مجھے شرف دے رہا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ہے۔ اب کام دین کا ہو رہا ہے، بدع و منکرات کو مٹایا جا رہا ہے، میں تو یہی کہتا ہوں کہ سگریٹ حقے وغیرہ چھوڑنا ہوگا، بیبی کا پردہ کرنا ہوگا، جس سے کہا اس نے سر رکھ لیا، پھر مجھے رونا آنے لگتا ہے کہ یہ تیرا کام نہیں اللہ تعالیٰ کا ہے کہ وہ تجھ سے کام لینا چاہتا ہے۔

فرمایا: کہ جنوبی افریقہ میں نیروبی کے لوگوں نے بہت کوشش کی کہ تم یہاں کم از کم ۱۵ دن کے لئے آجاؤ میں نے کہا کہ نہیں آسکتا، پاکستان بھی اس لئے جاتا ہوں کہ وہاں رشتہ دار ہیں، اقارب ہیں، پھر وہاں دنیاداری نہیں ہے اگر افریقہ جاؤں تو لوگ کہیں گے کہ عبدالغفور دنیا داری کیلئے افریقہ گئے۔ پھر میں جو کہوں گا وہ مانو گے بھی نہیں، نہ ڈاڑھی کٹوانا چھوڑو گے، نہ اور برائیاں ترک کرو گے۔ تو ایسے آنے سے کیا فائدہ ـــ! (جاری ہے)

---

[1] احقر جامع ملفوظات کو بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت صاحب ملفوظات قدس سرہٗ کی رہنمائی اور نشاندہی سے ان حضرات کے مزارات پر فاتحہ خوانی کا شرف بخشا۔ نسبت باطنی اور انوار و برکات کی وجہ سے حضرت مرحوم کو جنت البقیع میں اس مقام سے بے حد انس تھا اور حسن اتفاق کہ حضرت قدس سرہٗ کو بھی اس مقام پر خوابگاہ آخرت میسر آئی۔ فضیلت اور شرف کے لحاظ سے اکثر علماء اجلہ نے بقیع میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مرقد مبارک کو اولیت دی ہے۔ (سمیع الحق)

ہمارے اسلاف
اپنے کردار کے آئینہ میں

مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی
خطیب جامع مسجد۔ حضرو

سیّد المجاہدین

مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ دہلوی

★

ہم نے قومی ہیروؤں کے ساتھ جو شرمناک سلوک روا رکھا ہے، اسکی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ ہماری گذشتہ ڈیڑھ سو سال کی علمی زندگی میں قومی ہیروؤں کے جس قدر تذکرے لکھے گئے ہیں ان میں شاہ اسمٰعیلؒ اور حضرت سیّد احمدؒ بریلوی ایسی عظیم المرتبت شخصیتوں کا نام تک موجود نہیں،

—— کون سید احمد بریلویؒ ——؟ جن کے متعلق اکابرین امت کی رائے یہ ہے:

الف، ہمیں نہ نماز آتی تھی نہ روزہ، سیّد صاحب کی برکت سے یہ دلوں میں آ گئے ——

(مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی رحمۃ اللہ علیہ)

ب: سیّد صاحب جن قصبات میں تشریف لے گئے وہاں اب تک خیر و برکت ہے گویا وہ ایک نور مستطیل تھے، جدھر گئے وہ پھیل گیا۔ (حضرت مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ والد ماجد شیخ الہندؒ)

ج: جہاں جہاں حضرت کے قدم گئے وہاں وہاں خیر و برکت کے آثار پائے جاتے ہیں۔

(حضرت مولانا محمد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ —— شاندار ماضی ج ۲ ص ۱۱۹)

اور وہ عظیم المرتبت الشان جس پر آپ کے شیخ و مربی سراج الہند حضرۃ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کو اتنا اعتماد تھا کہ حکیم الامت مولانا شاہ ولی اللہ الدہلویؒ کی تعلیم کے مطابق انقلاب بپا کرنے کیلئے جو مختلف گروپ بنائے ان میں سے ایک گروپ کا قائد آپ کو (سید صاحبؒ کو) مقرر کیا جس کے ذمہ اہل وطن میں روح انقلاب بپا کر کے رضا کار بھرتی کرنا، انہیں فوجی ٹریننگ دینا، مالیہ فراہم کرنا دوسرے ممالک سے روابط و تعلقات اور باضابطہ جنگ جیسے اہم امور تھے ——

(علماء کا شاندار ماضی ج ۲ ص ۹۷)

اس گروہ کی قیادت سید صاحبؒ کو اس لئے سونپی گئی کہ وہ نواب امیر علی خان کی فوج میں رہ کر باقاعدہ محاذ جنگ کا عملی تجربہ کر چکے تھے۔ نیز روحانی کمالات میں پوری جماعت میں فائق تھے۔ (ایضاً صـ ۹۹ ج ۲)

اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے ہی سید صاحب سے علم و فضل اور عمر میں بڑا ہونے کے باوجود مولانا عبدالحی صاحب اور شاہ اسمٰعیل صاحبؒ کو بیعت ہونے کا حکم دیا۔ (ایضاً صـ ۹۹ ج ۲)

پھر مریدان باصفا نے جس گرویدگی کا ثبوت دیا اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ:

جب سید صاحب دیوبند پہنچے تو سواری پر سوار تھے، دو صاحب رکابیں تھامے ہوئے تھے، استقبال کرنے والوں نے آگے بڑھ کر سید صاحبؒ سے ملاقات کی اور رکابیں تھامنے والوں کو بغور دیکھا لیکن پہچان نہ سکے، سید صاحبؒ نے فرمایا ان سے ملو یہ مولانا عبدالحیؒ اور شاہ محمد اسمٰعیلؒ ہیں۔ (ایضاً صـ ۱۹۵ ج ۲) اس وارفتگی و تعلق خاطر کو بدفطرت دشمن انگریز بھی تسلیم کرتا ہے۔ چنانچہ مشہور متعصب انگریز ہنڈ لکھتا ہے کہ:

مولانا عبدالحیؒ اور مولانا محمد اسمٰعیلؒ جیسے لوگ عام خدمتگاروں کیطرح ان کی پالکی کے ساتھ ننگے پاؤں دوڑنا فخر سمجھتے تھے۔ (ہمارے ہندوستانی مسلمان صـ ۲۲)

سید احمدؒ کے دو وفادار اور دیانتدار رفقائے کار تھے، مولوی عبدالحیؒ اور مولوی محمد اسمٰعیلؒ اور انہوں نے اپنے قائد کیلئے ہر قسم کی مدد اور کمک پہنچانے میں کوئی کمی روا نہ رکھی۔ (کرنل الیگزنڈر کا سفرنامہ بحوالہ مقالات صـ ۲۲)

اور مرید باصفا شاہ اسمٰعیل کے دل میں جبکی اتنی وقعت تھی کہ قیام لکھنؤ کے دوران جب حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے انتقال پرملال کی خبر ملی تو شاہ اسمٰعیل کو تحقیق کی غرض سے دہلی روانہ کیا، ساتھ ساتھ اپنا گھوڑا سواری کے لئے دے دیا۔ شاہ صاحب نے پیر کا گھوڑا سمجھ کر سارا سفر پیدل کیا اور گھوڑے کی لگام تھام کر ہمراہ لائے۔ (ارواح ثلاثہ صـ ۴۷)

وہ سید احمد بریلویؒ جسے بجا طور پر تیرھویں صدی کے مجدد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اور وہ کہ جس نے دیوبند سے گذرتے ہوئے جس جگہ آج مرکز علمی دارالعلوم ہے، کہا تھا کہ مجھے یہاں سے بوئے علم آتی ہے۔ (الفرقان مجددؒ نمبر) اس بوئے علم کا نظارہ کرنا ہو تو عرب و عجم کے شہروں کو دیکھو فضلاء دیوبند کے حلقے ہر جگہ نظر آئیں گے اور سید کے فرمان کا اندازہ ہوگا۔

اور وہ سید احمدؒ جس نے غیر ملکی اقتدار کے خلاف جہاد اسلامی کی طرح ڈالی، لیکن افسوس کہ نام نہاد مسلمانوں کی بدعہدیوں کا شکار ہو گیا اور سرزمین بالاکوٹ کی اپنے خون مقدس سے لالہ زار بنایا اور بَلْ اَحْیَاءٌ کے زمرہ میں شامل ہو گیا۔ اس قسم کے انسان کے تذکرہ سے سرد مہری ——؟ شرمناک نہیں تو اور کیا ہے ——؟ فیا للعجب۔

اور کون شاہ محمد اسمٰعیلؒ ——؟ بقول مولانا محمد میاں مراد آبادی: ملک، وملت کا وہ سرفروش مجاہد جس کا عمل فلسفہ ولی اللّٰہیؒ کی تفسیر تھا، اور جس کا ایثار قربانی ذبیح اللّٰہ کی زندہ تصویر۔ جسکا دل دولت درد سے مالا مال تھا، اور جس کا جگر سوز محبت کا سرمایہ دار: جسکا علم ہمدوش عمل اور جس کا عمل آئینہ دار علم بے پایاں۔ آزادی فکر کا سب سے بڑا حامی، جمہوریت کا علمبردار، ملوکیت کا سب سے بڑا دشمن، شاہ پرستی کیلئے فرشتہ موت: سرمایہ داری سے بیزار، غلامی کے ناپاک تصور سے ناآشنا، اسکی زندگی سعی پیہم تھی۔

کتاب زندگی کا آغاز باب جہاد سے ہوا، اور اسی جہاد پر زندگی کا آخری ورق پلٹا گیا —— باپ مولانا شاہ عبدالغنیؒ دادا وہی حضرت شاہ ولی اللّٰہؒ جنکی تحریک کو لیکر میدان جہاد میں پہنچا۔ اور اسی راستہ میں شہید ہو کر حیات جاودانی حاصل کی۔

علم وعمل کے گھرانے میں پیدا ہوا اسی فضا میں تربیت پائی، والد کی وفات لڑکپن میں ہو گئی تھی قدرت نے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی آغوش شفقت پرورش کے لئے منتخب کی۔ چچا پر ناز کرتا تھا اور چچا کو بھتیجے پر فخر تھا۔ وہ بار بار کہا کرتا تھا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ۔ (نواسہ) —— (شاندار ماضی صفحہ ۱۹۰/۲)

وہ عظیم انسان جس کے متعلق ایک نیاز مند کے یہ کلمات سراسر مبنی بر صداقت ہیں۔

ایسا عالم باعمل، فاضل بے بدل، صاحب اخلاق، شہرۂ آفاق: المعی زمان، لوذعی دوران، واقف علوم، معقول ومنقول، کاشف دقائق فروع واصول، دافع اعلام توحید وسنت: قامع بنیان شرک وبدعت، فتوت کردار، شجاعت رفتار، اس وقت میں ہم نے کہیں نہ سنا، دیکھنا تو کیا۔ (جماعت مجاہدین صفحہ ۱۲۵) علم کا وہ بحر بیکراں جسے سراج الہند شاہ عبدالعزیزؒ نے خود شیخ الاسلام لکھا اور جس کے دستخط کو اپنے دستخط قرار دیا۔ "ایشاں (مولانا عبدالحئی، شاہ صاحبؒ) در علم تفسیر حدیث وفقہ واصول ومنطق وغیرہ از فقیر کمتر نیستند مہر ودستخط ایشاں گویا دستخط فقیر است۔ (شاندار ماضی صفحہ ۹/۲) وہ راسخ العقیدہ مسلمان جسے ایک غیر جانبدار مورخ نے یوں خراج عقیدت

پیش کیا:

خلافتِ راشدہ کے بعد اسلام نے حقیقی نمونے کے مسلمان کم پیدا کئے ہیں، اور شاہ صاحب جیسے راسخ العقیدہ مسلمان تو اس سے بھی کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ (مقالات صـ۳)

ایک ایسا متبع سنت کہ جب ایک مرتبہ اس کے شیخ حضرت سید احمدؒ صبح کی نماز میں دیر سے پہنچے تو سرِعام یوں محاسبہ کیا۔ جناب آپ کی بیوی صرف ایک رات آپ کے پاس رہی ہے اور آپ خدائی فرض سے غافل ہو گئے، آپ قیامت کے روز اس کا کیا جواب دیں گے۔؟ (مقالات صـ۹)

اور قرآن کریم کا اسقدر شیدائی کہ منکر قرآن کے متعلق اس کا فیصلہ یہ ہے:

میں ہر شخص کو قرآن مجید سے تشفی بخش جواب دیتا ہوں اور اس کے باوجود اگر وہ انکار کرے تو میں اسکی تشفی اس تلوار سے کرتا ہوں۔ (ایضاً)

شاہ پرستی اور ملوکیت سے اتنا متنفر کہ اپنی کتاب منصب امامت کے صـ۹۸ پر یوں راقم ہے: ان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا عین انتظام ہے اور ان کو فنا کے گھاٹ اتار دینا عین اسلام! ہر صاحب اقتدار کی اطاعت کرنا حکم شریعت نہیں، اور نہ ہر جابر و قابض کے سامنے گردن جھکا دینا دین کا حکم ہے۔

کچھ لوگ انہیں محض سکھ کا مدمقابل گردانتے ہیں اور انگریز کے متعلق کچھ اور سمجھتے ہیں، لیکن یہ اقتباس کیا کہہ رہا ہے۔ (فتفکروا)

وہ ایک ایسا انسان تھا کہ اشاعت و تبلیغ دین کا درد اس کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ چنانچہ یہی درد کبھی تو اسے دہلی کی سب سے بڑی بدکار عورت کے بنگلہ پر لے گیا، جہاں وعظ فرما کر بیسیوں زنان بازاری کو صراطِ مستقیم پر لگا دیا۔ (ارواح ثلاثہ صـ۵۲)

کبھی تبلیغی مہم میں رخنہ کے خوف سے اپنی بوڑھی اور بیوہ بہن کے قدموں میں عمامہ ڈال کر اس کا دوسرا نکاح کرا دیا اور اسطرح سنت نبوی زندہ کی۔ (ایضاً صـ۶۸) کبھی شاہی دربار میں پہنچا تو وعظ بے نظیر سے بی بی کی صحنک کی رسم بند کرا دی۔ (ایضاً صـ۷۰) خدا نے اسے اتنا نوازا تھا کہ وہ عصر سے مغرب تک پورا قرآن کریم ختم کر دیتا تھا۔ (ارواح ثلاثہ)

افسوس کہ اس پائے کے انسانوں کے متعلق ہم نے بڑا شرمناک رویہ اختیار کیا کسی نے انہیں دشمن رسول ثابت کرنے کے لئے وہابی کے لفظ کا بے دریغ پروپیگنڈا کیا اور کسی نے انگریز کی

بجائے سکھ کیوں ---؟ کا بیہودہ سوال کھڑا کر کے ان کی عظمت و رفعت کو کم کرنے کی سعی نا مسعود کی۔

وہابیت کا پروپیگنڈا | تذکرہ شروع کرنے سے قبل سرسری طور پر ان دو مسئلوں کی صفائی ضروری ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

جہاں تک وہابیت کے پروپیگنڈا کا تعلق ہے۔ اس سلسلہ میں اب یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ یہ سب انگریز کی نقالی ہے۔ انگریز جو اس ملک میں بقال بن کر آیا، جب اس نے اپنی مکارانہ پالیسی اور بعض بے ضمیر و سیاہ بخت مسلمانوں کی غداری و بدعہدی کے سبب عنانِ اقتدار سنبھالنے کی کوشش کی تو اسے سب سے زیادہ جس طاقت سے واسطہ پڑا وہ علماء حق کی طاقت تھی یا پھر سلطان ٹیپو شہیدؒ جیسے چند غیور اور با ضمیر فرمانروا جنکا تعلق گروہ علماء سے تھا۔ (جیسا کہ سیرت سید احمد شہیدؒ کے مصنف کی تحقیق ہے کہ سلطان کا تعلق سید صاحب کے بزرگوں سے تھا۔) انگریز ملعون جب طاقت کے بل بوتے پر کامیابی حاصل نہ کر سکا تو اس نے تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو کی مکروہ پالیسی پر عمل کیا، چنانچہ حکمانہ ہدایت ملاحظہ فرمائیں: ہندوستان میں ہماری حکومت کے ہر صیغہ کو خواہ وہ خارجی تعلقات سے واسطہ رکھتا ہو، یا عدالتی اور حربی نظم و نسق سے، یہ اصول ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیئے۔ کہ تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو۔ (حکومت خود اختیاری ص ۵۱، ۵۲) اس پالیسی کے ضمن میں جس ہتھیار نے سب سے زیادہ کامیابی کے مواقع مہیا کئے وہ یہی لفظ وہابیت تھا، چنانچہ سلطان شہید علیہ الرحمۃ کو بھی وہابی کہا گیا، یعنی دشمن رسول! اور کہا کہ سلطان نے ایک بار کہا تھا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس جیسے ہیں۔ (معاذ اللہ) --- (سلطان ٹیپو از محمود بنگلوری)

اور پھر اس ضمن میں مکہ تک کے نام نہاد علماء کے فتوے حاصل کئے جو بقول ہنٹر انبار کی صورت میں تھے --- ایسے فتووں کا انبار اکٹھا کیا۔ جن کے ذریعہ سلطان کو خوب خوب بدنام کیا اور اس طرح وہ مشعل حریت عین میدان میں اکیلا رہ گیا۔ (اور بعد میں دوسرے مجاہدین کے ساتھ یہی ہوا۔) انگریز کی اس پالیسی کی وضاحت خود ہنٹر نے کر دی۔ لیکن افسوس کہ فریب خوردہ مسلمان آج تک وہی راگ الاپے جا رہے ہیں۔

ہنٹر نے لکھا: وہابی اور غدار مترادف الفاظ ہیں۔ (ہمارے ہندوستانی مسلمان) گویا جس سے خطرہ محسوس ہوا اسے وہابی (دشمنِ رسول) کہہ کر بدنام کر دیا --- اس مختصر اقتباس کے بعد کوئی پردہ تو نہیں رہ جاتا۔ لیکن ایک اور اقتباس سنئیے --- وہابیوں نے جہاد کی تلقین و ترغیب میں اتنا لٹریچر

قوم کو دیا کہ اسے اکٹھا کیا جائے تو دفتروں کے دفتر تیار ہو سکتے ہیں۔ (ہمارے ہندوستانی مسلمان)

ان فتووں کی اشاعت کیسے ہوتی۔؟ ہنٹر جواب دیتا ہے۔ "ہر مسلمان مولوی (نام نہاد) جسکی مسجد یا خانقاہ کے ساتھ ایک دو گز زمین ملحق تھی، وہابیوں کے خلاف چلانے لگا اور پچاس سال تک اسی کام میں مصروف رہا۔ (ہمارے ہندوستانی مسلمان)

یہ ہے اصل حقیقت وہابی وہابیت کی بقول ہنٹر جو اتنا متعصب ہے کہ حضرت سیّد احمدؒ جیسے امیر المجاہدین اور علمبردار حریت کو ڈاکو اور لٹیرا لکھتا ہے۔ (معاذ اللہ)

ان واضح حقائق کے ہوتے ہوئے، بالاکوٹ اور شاملی کے میدانوں میں اپنا خون پیش کرنے والے زندانِ وطن کو بسانے والے اور انگریز کے ناک میں دم کرکے اسے ملک چھوڑنے پر مجبور کرنے والے پروانگانِ شمع آزادی کو وہابی (دشمنِ رسول) کہنا ایک انتہائی شرمناک جسارت ہے جو بے نصیب اور سیاہ بخت تو کر سکتے ہیں، عقلمند اور باخدا لوگ نہیں کر سکتے۔

حقیقت یہ ہے کہ حکیم الامت مولانا شاہ ولی اللہؒ اور ان کے نسبی و روحانی خانوادہ کا ایک ایک فرد مجسّم ولایت اور جنید وقت ہے۔ اور انہی لوگوں کے دم قدم سے آج یہاں رونق مسلمانی نظر آرہی ہے۔ لیکن انگریز سے نفرت اور جذبہ جہاد کے فریب خوردہ الٹی تعبیر کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس لفظ کا شانِ ورود کیا ہے اور اسے کس طرح امپورٹ کیا گیا۔؟ یہ دلچسپ داستان ملاحظہ فرمائیں۔

نجد میں محمد بن عبدالوہاب نامی ایک صاحب گذرے ہیں۔ جن کی متشددانہ طبیعت نے بعض ایسے امور ان سے سرزد کرائے کہ عالم اسلام میں ہیجان بپا ہو گیا۔ انگریز نے یہ دیکھا تو پروپیگنڈے کا ہتھیار ہاتھ لگ گیا اب جسے بدنام کرانے کی سوجھی، اس پر یہ فتویٰ سرکاری دارالافتاء سے داغ دیا گیا۔ حالانکہ اوّلاً تو لفظ وہابی خود اسکی جماعت پر غلط ہے کہ اس کا نام محمد ہے عبدالوہاب نہیں، وہ باپ ہے، اس کا کیا قصور۔۔۔۔؟

ثانیاً محدث دہلوی کا خانوادہ (نسبی و روحانی) اس گروہ کے متعلق کبھی خوش فہم نظر نہ آیا، ایک آدھ بزرگ کا استثنار ممکن ہے مل جائے، لیکن جماعتی حیثیت سے ہمارا دعویٰ درست ہے اس لئے یہ جوڑ بلاوجہ ہے۔

ثالثاً یہ کہنا کہ سیّد احمد صاحبؒ وغیرہ ان سے ملے یا متاثر ہوئے وغیر ذالک (جیسا کہ آئیگا) یہ قطعاً غلط ہے، کیونکہ محمد بن عبدالوہاب ۱۷۰۳ء میں پیدا ہوا، حصول علم کے بعد نجد کا ایک امیر

محمد بن سعود اس کے حلقہ میں شامل ہوا جس نے بعد میں ترقی بھی کر لی اس کے بعد اس کا لڑکا عبد العزیز جانشین ہوا، اسی اثنا میں محمد بن عبد الوہاب دنیا سے رخصت ہو گیا۔ (۱۲۰۶ھ ۱۷۹۲ء) عبد العزیز کے بعد اس کا لڑکا سعود ۱۸۱۴ء تک حکمران رہا بعد ازاں اس کا لڑکا عبد اللہ حاکم بنا، حتیٰ کہ چار سال بعد ۱۷ دسمبر ۱۸۱۸ء کو نہ صرف یہ سلطنت ختم ہوئی بلکہ اس خاندان کا ایک ایک فرد موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، اور بقول ہنٹر یہ عظیم الشان سلطنت جس معجزانہ طور پر منصہ شہود پر آئی تھی اسی معجزانہ طور پر ریت کے صحرائی ٹیلوں کی طرح غائب ہو گئی۔ (ہندوستانی مسلمان)

سلطنت نجد ۱۸۱۸ء میں ختم ہوئی سید صاحب ۱۲۳۷ھ ۱۸۲۲-۲۳ء میں مکہ معظمہ گئے، جیسا کہ ہنٹر کو بھی اعتراف ہے۔ (ص ۵۶) تو چار پانچ سال بعد اس تحریک (نجدی تحریک) سے کیسے متاثر ہوئے اور کیونکر عظیم سلطنت کے خواب دیکھے ...؟ دیکھیں انگریزوں کی عبارتیں اور پھر پڑھیں ...... ع

دروغ گو را حافظہ نباشد۔ ہنٹر لکھتا ہے: ۱۲۳۷ھ ۱۸۲۲-۲۳ء میں امام صاحب (سید صاحب) کے مکہ تشریف لے جانے پر اس عام فہم اصلاحی عقیدہ کو وسعت دی گئی اور باقاعدہ طور پر ترتیب دیا گیا، انہوں نے اس مقدس شہر میں ایک اصلاحی تحریک کا آغاز دیکھا جس کا بانی صحرا کا ایک بدو تھا اور جو ان کے عقائد کے مطابق تھا۔ (ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۵۶) آخری جملہ جو ان کے عقائد کے مطابق تھا کس قدر غلط ہے کہ اس کے بیان کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ شاہ ولی اللہؒ اور نجدیوں کے نظریات کے بعد المشرقین سے اہل علم واقف ہیں۔ بانی تحریک کا بانی ۱۲۰۶ھ ۱۷۹۲ء میں دنیا سے رخصت ہو چکا ہے اسکی حکومت ۱۸۱۸ء میں برباد ہو گئی، لیکن بقول ہنٹر تحریک کا آغاز تھا کب ۱۸۲۲-۲۳ء میں ...؟ ع۔ ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے۔

اس سے زیادہ مؤرخانہ ژرف نگاہی ملاحظہ فرمائیں:

"ان کے خوابوں نے ایک آتشیں وجد کا جامہ پہن لیا اور وہ دیکھنے لگے کہ ہندوستان کے طول و عرض میں ہر ضلع میں ہلالی پرچم گاڑ رہے ہیں۔ ان کی تعلیمات میں جتنی غیر مبہم باتیں تھیں انہوں نے اسی قسم کی ٹھوس صورت اختیار کر لی جس کی وجہ سے عبد الوہاب (یا محمد بن عبد الوہاب) نے عرب میں ایک عظیم الشان سلطنت قائم کر لی تھی اور سید احمدؒ کو یقین تھا کہ یہ اصول انہیں ہندوستان میں اس سے بھی زیادہ مضبوط سلطنت قائم کرنے میں مدد دیں گے۔"

جو سلطنت بقول ہنٹر ۱۸۱۸ء میں ریت کے صحرائی ٹیلوں کی طرح دب گئی تھی وہ ۱۸۲۲-۲۳ء میں بھی عظیم الشان ہے۔ ع۔ دروغ گو را حافظہ نباشد۔ سچ کہا گیا ہے۔

ایک قدم اور آگے چلیں اور دیکھیں کہ ہنٹر صاحب کیسے کڑیاں ملاتے ہیں:

"نیز تحریک کو منظم کرنے اور جہاد کا جذبہ مجاہدین میں اس وقت پیدا ہوا جب وہ (سید احمدؒ) حج کرنے گئے اور وہاں (مکہ میں) انہوں نے نجدیوں کے وہابیوں (محمدیوں) سے ملاقاتیں کر کے ان کے پیغام اور تعلیمات کو سمجھا اور ان سے ساز باز کی۔ (ہمارے ہندوستانی مسلمان)

اے کاش! ہنٹر صاحب بتاتے کہ یہ ملاقات کہاں ہوئی، عالم ارواح میں یا کسی دوسری جگہ؟ اور رہ گئی ساز باز تو ہنٹر صاحب کیلئے یہ الزام معمولی ہے، پوری کتاب ان مجاہدین اسلام کے خلاف یاوہ گوئی سے بھری ہوئی ہے یہ کہہ لیا تو کیا ہوا ---؟ پھر ساز باز کس سے کی --؟ جن کے خاندان کا بچہ بچہ تہہ تیغ ہو چکا تھا۔ ان سے --؟ خاص طور پہ نوجوان پود سے میری گذارش ہے کہ خدارا تضاد بیانیوں کو دیکھیں اور ذرا سوچیں کہ یہی تحقیق و ریسرچ ہے -؟ یہی دیانت و صداقت ہے -؟ جس کا مظاہرہ ہنٹر کر رہا ہے۔

الغرض سید صاحبؒ اور ان کی پارٹی کا کسی طرح بھی نجدیوں (وہابیوں یا محمدیوں) سے کوئی تعلق نہیں اور امید ہے کہ یہ مختصر تحریر حقائق کو سمجھنے میں مدد دے گی۔ رہ گیا تعصب اور عناد، اس کا علاج ہمارے پاس کوئی نہیں۔ اور متعصبین و ہٹ دھرم حضرات کی آنکھیں روز محشر ہی کو کھلیں گی۔ بطور تکملہ اتنی بات عرض کر دوں کہ مرزا حیرت دہلوی (مصنف حیات طیبہ سوانح شاہ محمد اسمٰعیلؒ) اپنی ذہنی ساخت کے سبب نجدیوں کے زیادہ قریب ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ اس چیز کو تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ اس میں رائی بھر صداقت نہیں۔ (دیکھیں حیات طیبہ)

وہابی اور غدار مترادف الفاظ ہیں۔ لکھنے والے ہنٹر کا ایک اور حوالہ سنیں پھر بحث ختم۔ --- ایک وہابی کے سامنے ایک ہی چیز ہے، اور وہ یہ کہ دین محمدیہ کی تطہیر کا عظیم الشان کام سرانجام دیا جائے اس راستے پر گامزن ہوتے ہوئے وہ نہ کسی سے ڈرتا ہے اور نہ کسی پر رحم کھاتا ہے۔

(ہمارے ہندوستانی مسلمان)

گویا بقول ہنٹر وہابی انگریز کا غدار اور دین محمدی کا خادم ہے۔ اگر یہ تعریف درست ہے تو پھر اس خانوادہ مقدس کو اس پہ فخر ہے۔ اور اگر وہ تعریف ہے جو ہنٹر کی معنوی اولاد کہتی ہے یعنی دشمن رسول (جیسا کہ ٹیپو شہیدؒ کے ضمن میں گذرا) تو ہم اس سے بری ہیں۔ اور اس کے بعد بے دلیل جھک مارنے والے اللہ کے یہاں اپنا انجام سوچ لیں۔ فَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ۔

--- (باقی آئندہ) ---

مولانا غلام محمد صاحب بی اے۔ کراچی

حضرت شیخ الشیوخ العباسی مدنی قدس سرہٗ

اس دنیا میں جو بھی آیا وہ بلاشبہ جانے ہی کیلئے آیا۔ مگر کسی کسی کا جانا کس قدر الم انگیز بلکہ روح فرسا ہوتا ہے۔ ابھی کچھ ہی عرصہ کی بات ہے کہ شیخ الشیوخ حضرت مولانا عبدالغفور العباسی مہاجر مدنی کا نام لیتے ہوئے دل میں ایک سرور اور روح میں تازگی کی کیفیت محسوس ہوتی تھی اور دل کو بڑی ہمت اس بات سے حاصل رہتی تھی کہ اس دور ظلمانی میں ایک ہستی تو ایسی ہے جس کا دماغ علمِ ربانی سے روشن اور جس کا دل معرفتِ الٰہی کا مخزن اور جس کا خلق اخلاق نبویہ کا عکس لئے ہوتے ہے جس کو جوارِ نبوی میں قیام کی سعادت ہی حاصل نہیں بلکہ وہ اس مرکز روحانی میں بیٹھ کر اکنافِ عالم میں توحید اور اتباعِ سنت کے انوار کی ضیاباری کی سعادت پا رہا ہے۔ ہم نام نہاد اسلاف کے طریق پر چلنے والوں کو بڑی تقویت انکی ذات سے حاصل تھی کہ اگر کوئی پوچھے کہ اسلاف کا کوئی نمونہ تمہارے پاس اس وقت بھی موجود ہے تو بلا تامل ہم نشاندہی ان کی طرف کر سکتے تھے اور اور اس یقین کے ساتھ کہ ان کو دیکھ کر کوئی شخص ہمارے دعوے کو جھٹلا نہ سکے، مگر افسوس کہ وہ رحلت فرما گئے، اور ان کے جانے سے روحانی عالم میں سناٹا سا چھا گیا ہے۔ اہل باطن کے دل پژمردہ سے ہو گئے۔

راقم عاجز کو اپنی عمر کے اعتبار سے بڑے بڑے بزرگوں کی زیارت کا شرف حاصل ہے اور مختلف سلاسل وطرق کے اہلِ کمال کی زیارت کا موقع ملا ہے مگر "وسعتِ فیض" کے اعتبار سے حضرت مولانا ممدوح کی نظیر نہیں دیکھی اور نہ اس دور میں کسی نے بھی دیکھی ہوگی، ان کا فیض کل بلادِ اسلامیہ میں پھیلا ہوا تھا اور پاکستان جو ان کا پہلے ہی سے وطن تھا، انکی توجہ کا خاص مرکز تھا، وہ فیض رسانی

میں بڑے حریص تھے اور اس کا برملا اظہار بھی فرماتے تھے، سفر و حضر میں اخذِ بیعت کا سلسلہ جاری رہتا تھا، ایک مرتبہ راقم حقیر نے عرض کی کہ "حضرت دورانِ سفر ایسے لوگوں کو بیعت فرماتے ہیں جن سے ملنے کی دوبارہ توقع تک نہیں ہوتی، ایسی بیعت سمجھ میں نہیں آتی۔" —— فرمایا: میرا یہ عقیدہ ہے کہ ہادیٔ مطلق اللہ تعالیٰ ہیں، اور وہی رہبری فرماتے ہیں۔ میں تو صرف بیعت توبہ کراتا ہوں کہ اس وقت کیلئے تو وہ شخص تائب ہوگیا، اب خواہ مجھ سے نہ ملے مگر اللہ تعالیٰ اس کے لئے کسی اور کو ہدایت کا سبب بنا دیں گے۔

ایک اور موقع پر فرمایا:

"یہ جو سینکڑوں ہزاروں مرید ہو جاتے ہیں، یہ سب طالب طرق تھوڑے ہیں ان میں سے صرف اکا دکا سچا طالب نکل آتا ہے، باقی یہ بھی غنیمت ہے کہ یہ لوگ فرائض کے پابند ہو جاتے ہیں، ڈاڑھیاں چھوڑ لیتے ہیں۔"

حضرت مولانا اللہ کے بڑے محبوب تھے، اور محبوبیت کا اثر ان کی ایک ایک ادا سے اور ان کے قال اور حال سب سے نمایاں تھا، وہ جہاں بیٹھتے شمع محفل نظر آتے، ان کی باتیں دل میں اترتی تھیں، ان کے چہرۂ پُرنور کو دیکھ کر خدا یاد آتا تھا۔ اور ان کی صحبت میں بیٹھ کر دل کا رُخ اسفل سے اعلیٰ کیطرف، دنیا سے آخرت کی سمت ہو جاتا تھا، اور حوصلہ اتنا بلند ہو جاتا کہ مقصد تمنا ذاتِ حق بن جاتی تھی۔

حضرت مولانا سلوک نقشبندیہ کے واسطہ سے اس مقام رفیع پر پہنچے تھے اس لئے نقشبندیت کے ساتھ ان کی منسوبیت کا تعلق ناگزیر تھا، اور اسی نسبت سے انکا شہرہ لازمی تھا۔ مگر ایسے مرتبۂ کمال پر پہنچ کر کوئی بھی ہو فرقِ سلاسل سے بالاتر اور جامع طرق بن جاتا ہے۔ حضرت مولانا طریق نقشبندی تھا۔ مگر ان کا سینہ سوزِ چشتیہ کا بھی مجمر سوزاں تھا۔ ایک مرتبہ اسی کراچی میں ایک عالم بزرگ نے الاکل شیئ ما خلا اللہ باطل کا مصرعہ پڑھ دیا خود ہی اور اسکی کچھ توضیح بھی کی تو پھر حضرت کی طبیعت جوش زن ہوگئی اور اس پر جو اضافہ فرمایا وہ اس قدر پُرسوز اور صحیح "وجودی" رنگ کا تھا کہ جس نے یہ ساز چھیڑا تھا، وہ خود بھی وجد میں آگیا اور یہاں تک احقر کو یاد ہے، اسی بات پر وہ حضرت سے بیعت بھی ہو گئے۔

ہر بزرگ کو اپنے اکابر میں سے کسی نہ کسی بزرگ سے خصوصی تعلق ہو جاتا ہے، احقر کو خوب معلوم ہے، اور حضرت کی زبانی بھی تصدیق حاصل کی ہے کہ ان کو امام شعرانی سے گہرا ربط

ذہنی و روحانی حاصل تھا، اور جاننے والے جانتے ہیں کہ امام شعرانی طریقت میں کس ذوق کے بزرگ تھے۔

معاصر بزرگوں میں وہ حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ کے بے حد معترف تھے، گو مولانا کو ان کی زیارت کا موقع نہیں ملا تھا، احقر سے اور حضرت محترم ڈاکٹر عبدالحی صاحب مدظلہ (خلیفہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ) سے فرمایا کہ ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے خاص طور پر حضرتؒ کی ملاقات کیلئے تھانہ بھون کا سفر کیا تھا، وہ اس صدی کے مجدد تھے۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ کے ایک اور خلیفہ حاجی شفیع الدین صاحب نگینوی مہاجر مکیؒ کی زیارت مولانا نے مکہ معظمہ میں کی تھی، احقر سے فرمایا کہ: حاجی شفیع الدین صاحب کی شخصیت اس قدر نورانی تھی اگر میں اپنے شیخ سے بیعت نہ ہوتا تو انہیں سے بیعت ہوتا۔ اور فرمایا کہ: انہوں نے میرے حال پر بڑی شفقت فرمائی، اور مکہ معظمہ میں میں نے دو خواب دیکھے ــــ ایک تو یہ کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا حلقۂ درسِ حدیث ہے، میں بھی اس میں شریک ہوں، ختم درس پر حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ آؤ میرے ساتھ طواف کرو، چنانچہ میں نے خانہ کعبہ کا طواف حضرت مولانا کیساتھ کیا اور اس میں عجیب کیف ملا۔

دوسرا خواب یہ دیکھا کہ ایک بہت بلند پہاڑ پر چڑھ کر جب میں اوپر پہنچا تو وہاں حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ لیٹے ہوئے تھے، میں نے حضرت کے پاؤں دبانے شروع کئے، ایسے میں دیکھا کہ آسمان سے دو طشتریوں میں حلوہ اترا، ایک میرے لئے اور ایک حضرت کیلئے، میں نے حضرت سے درخواست کی کہ حضرت کو حلوہ میں کھلاؤں گا، چنانچہ میں نے ہی کھلایا ــــ آنکھ کھلنے پر تعبیر ذہن میں یہ آئی کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کے سلسلہ کی خدمت کچھ مجھ سے بھی ہوگی، اور یہ کہ مجھے ان اکابر کے فیوض سے بھی حصہ ملا ہے۔"

خیر یہ سب باتیں تو ان کی یاد کے ساتھ یاد آگئیں، ورنہ ارادہ تو یہی تھا، اور جی بھی یہی چاہتا ہے کہ ان کے تمام کمالات میں سب سے زیادہ اہمیت ان کے "خلقِ کریمانہ" ہی کو دی جائے۔ اور اسی کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے، کیونکہ اسی کا قحط عوام ہی میں نہیں بلکہ خواص تک میں آج عام ہے، حضرت مولانا نہایت کریم النفس، فیاض دل، کشادہ دست، ایثار پیشہ انسان تھے، ان کا دستر خوان نہایت وسیع تھا، حج کے زمانہ میں دیکھا کہ زائرین مدینہ طیبہ کی ضیافت وہ اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے، ان دنوں میں پچہتر اور سو ریال تک کا سودا روزانہ مولانا کے ہاں

آتا اور عام وخاص زائرین مدعو رہتے تھے ---- اہل حاجت کی امداد اور خدام کی خدمت کا صلہ بصورت نقد جو ادا فرماتے وہ اس سے الگ تھا، اس داد و دہش اور پُر تکلف دسترخوان کو دیکھ کر لوگوں کو گمان ہوتا کہ ان کی زندگی امیرانہ رنگ کی ہے، مگر ہم نے قریب سے دیکھا ہے کہ سب کچھ مہمانوں کی خاطر تھا۔ اپنی اور اہل خانہ کیلئے نہایت فقیرانہ زندگی پسند فرما رکھی تھی۔ مدینہ طیبہ کے پودینہ سے روٹی کا ٹکڑا کھا لیا تو ناشتہ ہو گیا، معمولی سے شوربے یا دال کے ساتھ روٹی کھالی تو یہ گویا خاصہ تناول فرما لیا جسکو روحانی لذتیں حاصل تھیں وہ مادی لذتوں کا محتاج کب رہ گیا تھا ---؟ دو تین بار یہ بات حضرت مولانا کی زبانی سنی کہ ہجرت مدینہ طیبہ کے ابتدائی زمانہ میں بڑی تنگدستی رہی یہاں تک کہ فاقہ کشی کا وقت آگیا، بہت سوچا کہ کیا کیا جائے آخر میں خیال یہی آیا کہ جو کچھ تھوڑا بہت اسباب ہے، وہ بھی فقرائے مدینہ پاک میں تقسیم کردیا جائے چنانچہ سب تقسیم کر دیا، وہ دن تھا کہ پھر آخر حیات تک، تنگی محسوس نہیں ہوئی، بلکہ روپیہ دریا کے رواں کیطرح آتا اور جاتا رہا۔

حضرت مولانا پیکر الفت و محبت تھے، جو ان کے قریب ہوا اس کے سارے متعلقین سے مولانا کو الفت ہو جاتی تھی اور ہر ایک کی خیر خیریت دریافت فرماتے رہتے اور ان کو اپنی شفقتوں سے اور ہدایا سے نوازتے رہتے تھے، ان کی خوشی سے خوش ہوتے اور ان کے غم و الم سے محزون ہو جاتے تھے۔ اور یہ تعلق امارت و فقیری کی بنیاد پہ نہیں تھا، بلکہ محض دل کے رابطہ و تعلق کی بنا پر تھا۔

حضرت کے دوران قیام کراچی (آج سے تقریباً ۸ برس پہلے) احقر کے والد ماجد مدظلہٗ پاؤں کے حادثہ کا شکار ہو کر فریش ہو گئے، حضرت کو اطلاع ہوئی تو دو مرتبہ حضرت نے از خود بلا اطلاع غریب خانہ کو رونق بخشی اور بیمار کو اپنی اس کرم ارزانی سے توانا کر دیا ---- یہ اُن کے کرم عام کا نمونہ تھا۔

حضرت کی زبان غیبت سے اور انکی نگاہ عیب جوئی سے تو محفوظ تھی ہی، مگر ان کی مجلس میں بھی کسی کی مجال نہ تھی کہ اس قسم کی کوئی بات کر سکتا، بلکہ جو لوگ ان کی برائی کرتے تھے ان کا ذکر بھی وہ خیر ہی سے فرمایا کرتے تھے، یا پھر خاموش ہو جاتے، یہ معمولی بات نہیں، البتہ اکابر کی شان میں گستاخی ان کیلئے ناقابل برداشت ہو جاتی تھی ---- ایک مرتبہ احقر ڈاکٹر عبدالحی صاحب مدظلہٗ کے ہمراہ حاضر خدمت تھا، ذکر کچھ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کا آگیا تو ڈاکٹر صاحب سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ حضرت (تھانویؒ) سے میرے تعلق کا اندازہ اس سے لگا سکتے

کہ دہلی میں ایک مرتبہ ہمارے سلسلہ کے کچھ لوگ جمع تھے، ان میں سے کسی نے حضرت کی شان میں سوئے ادب کا کوئی کلمہ اپنی زبان سے نکالا تو میں فوراً اس مجلس سے اٹھ کر چلا گیا، یہ لوگ حیران رہ گئے اور سبب نہ سمجھ سکے، جب میرے پاس آئے اور وجہ پوچھی تو میں نے عرض کیا کہ میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب کو اولیائے عصر میں سے مانتا ہوں اور اس مجلس میں قطعاً شرکت نہیں کر سکتا جہاں اولیاء کا آداب ملحوظ نہ رہے، میں اس وقت تک آپ کی مجلس میں شامل نہ ہوں گا، جب تک آپ لوگ اپنی حرکت سے تائب نہ ہو جائیں، چنانچہ سب نادم و تائب ہوئے"

یہ معمولی خلق نہیں ہے۔ احقر کی موجودگی میں ایک مرتبہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ کے ایک معتقد نے حضرت مدنیؒ کی بابت شیخ کی رائے پوچھی، فرمایا: "میں حضرت مدنیؒ سے متعلق کیا عرض کر سکتا ہوں جبکہ میرے شیخ حضرت فضل علی قریشیؒ یوں فرماتے تھے کہ میں ان کے چہرہ کو دیکھنا عبادت سمجھتا ہوں"

حضرت مولانا کے دل میں سادات اور علماء ربانی کا خاص مقام تھا، وہ ان حضرات کے لئے سروقامت کھڑے ہو جاتے، آگے بڑھ کر ان کا استقبال کرتے اور باوجود ضعف کے سواری تک پہنچ کر ان کو بٹھلاتے اور رخصت کر کے پھر لوٹتے، اور یہ سب تمام اخلاص کے ساتھ تھا۔ حضرت مولانا جب اوّل اوّل کراچی تشریف لائے ہیں تو ان میں بڑا جذبہ دیوبندیت اور بریلویت کی خلیج کو پاٹ دینے کا تھا، اور اس کا اظہار وہ ہر مناسب موقع پر بڑی دلسوزی سے کرتے رہے مگر اس میں ان کو بریلوی حضرات سے بڑی مایوسی اٹھانی پڑی اور دو ایک دفعہ کی پاکستان آمد اور کوشش کے بعد پھر انہوں نے اس طرف سے توجہ ہٹالی اور اچھا ہوا کہ جلد یکسوئی فرمالی ورنہ وہی ہوتا جس خدشہ کو صاحب نظر حضرت مولانا محمد الیاس قدس سرہ نے تاڑ لیا تھا اور مجتنب رہے تھے، حضرت مولانا الیاسؒ کا قول مشہور ہے کہ "میں تو بریلوی حضرات کے بھی قدم پکڑ لیتا مگر نفع کی کوئی امید نظر نہیں آتی، اپنے یہ سمجھیں گے کہ یہ بریلویت کی طرف جھک گیا، اور وہ یہ کہیں گے کہ یہ تو دیوبندی ہی ہے، ہم کو دھوکا دے رہا ہے"

برادرِ مکرم مولانا سمیع الحق صاحب زاد لطفہ نے فرمائش کی کہ حضرت مولانا عبدالغفور صاحب قدس سرہ پر کچھ لکھ بھیجوں، نامۂ محبت پڑھتے ہی قلم اٹھا کر جو کچھ بن پڑا حاضر کر دیا ورنہ ابھی اپنی حالت ایسی نہیں کہ سلیقہ سے حضرت پر کچھ لکھا جائے اور اس کی دو وجوہ ہیں، ایک غم کا اثر اور دوسرے وہی بات جو جگر مرحوم نے کہی تھی ۔

میں کامیاب دید بھی ناکام دید بھی جلوؤں کے اژدحام نے حیران بنا دیا

ڈاکٹر غلام صابر عباسی ۔ کراچی

کلمہ طیبہ کی روشنی میں وحدت و امامت

توحید | بد قسمتی سے آجکل مسلمانوں کا عام میلان وسعت کی بجائے محدودیت کیطرف ہے۔ ان کا ہر گروہ اس کلمہ کے کسی محدود معنی پر نظر جمائے بیٹھا ہے۔ وسیع مفہوم کیلئے یا تو ان کے ذہن ہی تنگ ہیں یا ہمت قاصر ہے۔ اور اس کے نتائج سے یہ لرزہ براندام ہیں۔ لا کو آپ نفی کہدیں یا "تخریب" اور الا کو اثبات کہیں یا "تعمیر" مدعا ایک ہے۔ الا اللہ اس بات کا اعلان ہے کہ دنیا میں کوئی چیز قابل تسلیم لائق اطاعت اور مستحق تقلید نہیں ہے۔ وہ تمام مختلف نظام جہل انسانی کے تراشے ہوئے ہیں جو کہ غلط ہیں، آپ کو انہیں مٹانا ہے اور ان کی تخریب کرنی ہے، اب جو فرد لا پر عمل کرنے لگا، سمجھ لیجئے کہ اس نے راہ توحید میں پہلا قدم اٹھالیا۔

دنیا کی جو قومیں محض لا الٰہ کے پھیر میں پڑی ہوئی ہیں، اگر وہ الا اللہ (اسلام) پر بھی عامل ہو جائیں تو کیا اس جہان پیر کی تقدیر بدل نہیں سکتی۔؟ یہ الا ان کو ایک ایسی لڑی میں پروئے کہ ان کی باہمی تخریب ان کی تہذیبی، تمدنی، معاشی، نسلی، قومی، سیاسی، طبقاتی نزاعیں ان کی خودکشی کی کوشش سب ختم ہو جائیں۔ ان کی ہوس ناکیاں، ملک گیری، مکاریاں یا ریاکاریاں، منافقتیں سرے سے مٹ جائیں۔ ان کے علاوہ جاہل پیروں، ملاؤں، ذاکروں، مجتہدوں، رئیسوں اور نوابوں کی تعداد ہے جو لوگوں کو اپنے آگے جھکواتے ہیں اور انکی جہالت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنے حلقۂ اثر میں خدائی کا کھلا یا چھپا اعلان کر رہے ہیں۔ آخر کیوں لوگ کلمہ طیبہ کے معنی نہیں جانتے یہی کلمہ جو مالک اور حاکم کو متعین کرتا ہے۔ خدا کی یہ شان ہے کہ اس کے آگے کوئی فرمانروا نہیں، تو انسان کی بھی یہ شان ہے کہ اس کا سر تسلیم خدا کے سوا کسی بناوٹی فرمانروا کے آگے جھک نہیں سکتا۔ گردن صرف

تیرے ہی آگے جھک سکتی ہے، اگر دنیا کی ساری طاقتیں بھی اسکو جھکانا چاہیں تو یہ خم نہ ہوگی۔ اللہ کی اطاعت غیر اللہ سے بغاوت کا دوسرا نام ہے، جس نے اللہ کو پہچان لیا اس نے اپنی حیثیت کو بھی پہچان لیا، اب عوام کو چھوڑ کر خواندہ حضرات کی طرف آئیے۔ ان میں سے بعض تو اشتراکیت کو دنیا کی نجات کا ذریعہ سمجھ کر اسلام سے مایوس ہو رہے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں جو وطنیت کے جذبے میں سرشار پکار کہتے ہیں کہ ہم مسلمان نہیں بلکہ پاکستانی ہیں۔ ان کا دین بھی وطن اور خدا بھی وطن ہے

تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

جو اس خدا کی پرستش سے بچے وہ "قومیت" کے فریب میں الجھ گئے، ان سب کا مشترک بتکدہ مغربیت ہے۔ جسمیں بشمار بت رکھے ہوئے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک اس کے بتوں میں سے کسی نہ کسی کے آگے سر بسجود ہے، بعض کیلئے سب سے بڑا خدا انگریز اور امریکہ ہے جس کے سامنے ساری دنیا کے بندوں اور پرستاروں کا جمگھٹا لگا ہوا ہے، اور اس میں عالم، جاہل اور سربراہ حکومت بھی شامل ہیں۔

جب ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں، تو اسکا مطلب صرف یہ نہیں ہوتا کہ اس کے سوا کوئی مسجود معبود نہیں ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں جس کے حکم کو بے چون وچرا مان لیا جائے۔ اس کے سوا کوئی نہیں جس کے قانون کو قانون تسلیم کیا جاسکے، اس کے سوا کوئی نہیں جسکو انسان اپنے سے بالاتر سمجھے اور جس کے آگے ذلت، غلامی، نیازمندی اور محکومی اختیار کرے۔ اس کے سوا کوئی نہیں جو حکمت و دانائی کا منبع ہو اور جسکو حقیقت و صداقت کے علم کا آخری ماخذ سمجھا جاسکے۔ تمام اطاعتیں اسکی اطاعت کے ماتحت ہیں۔ جو اسکی اطاعت سے آزاد ہے ہم اسکی اطاعت سے آزاد ہیں، یہ سب اللہ کو الہ واحد تسلیم کرنے کے لوازم ہیں، جو شخص ان میں سے کسی حیثیت سے بھی اللہ کو الہ تسلیم نہیں کرتا وہ دہریہ ہے اور جو بعض حیثیتوں سے اس کو الہ مانتا ہے، اور بعض حیثیتوں میں دوسروں کو اس کا شریک یا حصہ دار بناتا ہے، وہ شرک کا مرتکب ہے۔ صرف غیر کو سجدہ کرنا یا غیر سے دعا مانگنا یا غیر کے آگے نذر و نیاز پیش کرنا ہی شرک نہیں

ہے بلکہ شرک کی اور بھی بہت سی اقسام ہیں۔ جب کسی کو اپنی جان و مال کا مالک سمجھنے لگیں، تو شرک کریں گے، جب کسی کو آمر و ناہی سمجھیں گے تو شرک۔ جب اللہ کے سوا کسی دوسرے سے رجوع کریں لگے یا کسی کو ہدایت و حکمت و دانش کا ماخذ سمجھیں گے تو دراصل اسے خدا مانیں گے۔ جب کسی جماعت یا پارلیمنٹ یا فرد واحد کو قانون بنانے کا مختار سمجھیں گے، یا کسی کی اس حیثیت کو تسلیم کریں گے، اس کی رضا سے قانون بنتا ہے تو دراصل اسے خدا تسلیم کریں گے۔ غرضیکہ شرک کے حدود اتنے تنگ نہیں ہیں جتنے لوگوں نے سمجھ رکھے ہیں، اور توحید اللہ کی وسعت اتنی محدود نہیں ہے جتنی عام طور پر مسلمانوں کے گمان میں ہے۔ بلکہ دراصل اس کے حدود بہت وسیع ہیں۔ زندگی میں ہر ہر قدم پر ہمارے سامنے یہ سوال آتا ہے کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں، یا کسی اور کو ان تمام حالات پر ہر ایک کی الٰہیت سے انکار اور صرف خدا کی الٰہیت کا اعتقادی اور عملی اقرار توحید ہے، اور جہاں کسی رنگ میں بھی کسی دوسرے کی الٰہیت مان لی وہیں شرک ہو گیا۔ یہی چیز ہے جسکی وجہ سے مسلمان ہونا دنیا میں سب سے مشکل کام ہے۔ ورنہ بات صرف اتنی ہوتی کہ کسی اور کو سجدہ نہ کرو یا دعا نہ مانگو تو کوئی بڑی بات نہ تھی ۔

یہ شہادت گاہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

امامت | اب یہ رہا سوال کہ خدا کی اطاعت اور اس کے قانون کی پیروی کس طرح کی جائے، اس معاملے میں ہم آزاد نہیں ہیں۔ کہ جس چیز کو چاہیں خدائی حکم اور قانون ٹھہرالیں اور اسکی پیروی کریں۔ بلکہ اس علم کا ذریعہ صرف محمدؐ کی ذات ہے۔ اسی لئے محمد الرسول اللہ " کلمہ کا ضروری جز قرار دیا گیا ہے۔ گویا کلمہ نہ صرف وحدت الوہیت کا اعلان ہے بلکہ وحدت امامت کا بھی لا الٰہ الا اللہ وہ تمام انسان جو اس پر ایمان لائے ایک امت ہیں۔ اسطرح وحدت امت بھی اسی میں آگئی۔ کیونکہ امیر غریب سب ایک خدا کے بندے ہیں۔ اس لئے مساوات، اخوت، حرّیت، انسداد، پاپائیت، حرمت، ملوکیت غرض اسلام کے تمام اصول ان جامع الفاظ میں موجود ہیں۔ چونکہ لا الٰہ الا اللہ پر ایمان لاتے ہی آدمی پر ہر غیر الٰہی نظام کی تخریب اور اسکی جگہ ایک الٰہی نظام کی تعمیر لازمی ہو جاتی ہے۔ لہذا جہاد بھی اسی میں آگیا۔ پس اللہ کی خدائی پر ایمان درحقیقت اسی جگہ ہوگا جہاں قرآن کی حکومت ہو، جہاں شریعت محمدی کا قانون نافذ ہو، جہاں لوگوں کی زندگیاں احکام قرآنی کے مطابق بسر ہوتی ہوں، جہاں اللہ کے سوا کوئی کسی اور حیثیت سے بھی الٰہ نہ مانا

جاتا ہو، مگر جہاں یہ سب کچھ نہ ہو، قرآن کی بجائے ملک کی تعزیرات پر عمل ہو رہا ہو، جہاں محمدؐ کی عدالت کی بجائے کسی بادشاہ یا کسی اور قسم کی حکومت اور عدالتیں قائم ہوں۔ جہاں کفر کی شریعت نافذ ہو وہاں یہ کہنا اے اللہ ہم تو تجھے ہی اپنا اصلی بادشاہ مانتے ہیں۔ تیرے ہی آگے جھکتے ہیں۔ تیری ہی حکومت تسلیم کرتے ہیں۔ کیا یہ جھوٹ اور دغا نہ ہوگا۔؟ اگر یقین کامل ہو کہ اللہ کے سوا حقیقت میں اس کا کوئی الٰہ نہیں ہے تو وہ تمام ایسی حکومتوں اور بادشاہوں سے جو غیر اللہ کی ہوں ٹکرا جائیگا۔ یا تو ان کو پاش پاش کر دے گا، یا خود فنا ہو جائیگا۔ غیر الٰہی نظام کو چلانے میں حصہ لینا اور پھر ان حرکتوں کے ساتھ اسلام اور اسلامی کلچر کی حمایت و حفاظت کے دعوے لیکر اٹھنا یہ ایسی بدترین منافقت ہے جسے گوارہ کرنے کی تاب کوئی مومن تو نہیں رکھ سکتا کلمہ محض ایک جملہ ہی نہیں بلکہ اعلان ہے۔ چیلنج ہے، دنیا والوں کیلئے تم نے جو سیاست معیشت تمدن اور معاشرت کے نظام احکام الٰہی کے خلاف کر رکھے ہیں۔ مسلمان ان سب کو توڑنا چاہتا ہے۔ صرف خدا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے۔ دیگر اماموں کی شریع کو ختم کرتا ہے۔ اب ہمیں کسی ازم (ISM) یا اشتراکیت کی ضرورت نہیں رہی جو غیروں کی تعلیم مدنیت زبان تاریخ غرضیکہ ہر چیز سے مرعوب ہو چکے ہیں۔ جسکی وجہ سے غیروں کی پناہ لیتے پھرتے ہیں۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نا امیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے
دنیا کو ہے پھر معرکہ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا
اللہ کو پامردی مومن پہ بھروسہ
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا
تقدیر امم کیا ہے کوئی کہہ نہیں سکتا
مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارا

☆

دیرینہ پیچیدہ روحانی جسمانی امراض کے خاص معالج جمال شفاء خانہ رجسٹرڈ نوشہرہ ضلع پشاور

الفرقان

ہندوستان کا مشہور دینی ماہنامہ

جو ۱۳۵۳ھ م ۱۹۳۴ء سے شائع ہو رہا ہے

بانی مدیر
مولانا محمد منظور نعمانی

مرتب
عتیق الرحمن سنبھلی

الفرقان اپنے قارئین کو دین کے صحیح علم و فہم میں مدد دیتا ہے، اس کے مضامین ذوق عمل اور روحانی گداز بخشتے ہیں۔ اس کے ذریعہ ہر مہینے اپنی دینی فکر اور دینی حالات کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ اور جن لوگوں کو ملّی مسائل پر حقیقت پسندانہ غور و فکر سے دلچسپی ہے۔ الفرقان کے اداریے انکی اس دلچسپی کا بھی بھرپور سامان دیتے ہیں ——!

—— پوری واقفیت کے لئے نمونہ کا پرچہ مفت طلب فرمایئے ——

سالانہ چندہ برائے ہندوستان و پاکستان ۷/۵۰ روپے ششماہی ۴/- روپے
دیگر ممالک سے سالانہ ۱۵ شلنگ

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ :۔ سکریٹری صاحب ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگس لاہور

مینجر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ

خلائی تسخیر اور قرآنِ کریم

مؤلفہ
ابو مسعود نقشبندی

★

اس معرکۃ الآرا کتاب کو مقتدر علماء کرام کی زبردست تصدیقات کے علاوہ ملک کے مشہور جرائد مثلاً روزنامہ امروز، چٹان، ترجمان اسلام، تبصرہ لاہور۔ بیّنات، البلاغ کراچی اور الحق اکوڑہ خٹک کی زبردست تائید حاصل ہے۔ کتاب بیحد شگفتہ انتہائی دلچسپ، اور ایمان افروز ہے۔ آج ہی آرڈر دیکر حاصل کریں۔ ہدیہ اعلیٰ ایڈیشن ۴/- روپے، سستا ایڈیشن ۳/- روپے۔

ادارۂ فروغ اسلام شجاع آباد ضلع ملتان

احکام ومسائل —— ٹیلیویژن کے بُرے اثرات

مخدومی حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ ......!

یہاں گھر گھر میں دل بہلانے کے لئے ٹیلیویژن نصب ہے جس کے پروگرام عموماً یہ ہیں کہ برہنہ یا نیم برہنہ لڑکیاں رقص وسرود کرتی ہیں، گانا بجانا، بوس وکنار، دھینگامشتی اور فحاشی کی اشاعت ہوتی ہے یا عیسائیت کا پرچار اور عالمی حسیناؤں کے انتخاب کے منظر اور مختلف فلمیں دکھائی جاتی ہیں۔ غیر محرم مرد وعورت اور خاندان کے افراد ماں بیٹیا بہن بھائی یکجا بیٹھ کر ان حیا سوز مناظر کو دیکھتے ہیں۔ تعلیم اور دنیاوی کاروبار سب کاموں میں اس سے رکاوٹ پیدا ہورہی ہے۔ رنگون کے ایک مفتی صاحب نے اسے جائز قرار دیا ہے آنجناب ہمیں اسکی شرعی حیثیت سے مطلع فرمادیں۔ ہم آپ کی تحریر کی کاپیاں سائیکلوسٹائل کرکے انگلینڈ میں آباد تمام مساجد میں فریم کرکے رکھ دیں گے تاکہ مسلمانوں کو انتباہ ہوسکے۔

(محمد اعظم کلیرنس سٹریٹ بولٹن یوکے)

جواب —— ٹیلیویژن کے بارہ میں آپ کے خیالات بالکل صحیح ہیں، تصویر پرستی اور تصویرکشی حرام ہے پھر جبکہ ٹیلیویژن پر فحاشی اور عریانی کا غلبہ ہو تو اس کا نتیجہ سوائے بداخلاقی مادہ پرستی خدافراموشی بے حیائی اور وقت ضائع کرنے کے اور کچھ ظاہر نہیں ہوسکتا۔ یورپی ممالک میں تو ایسی چیزوں کی ہلاکت آفرینی اور بھی زیادہ ہے۔ تصویرکشی غلط تاویلات سے جائز نہیں ہوسکتی اور نہ مرد وعورت کا نامحرم کیطرف دیکھنا خواہ آئینہ یا تصویر کی شکل میں ہو جائز ہوسکتا ہے۔ الغرض اس کے مفاسد اور قبائح یقینی ہیں، اس لئے تمام مسلمانوں کو اس لعنت سے احتراز کرنا ضروری ہے۔ یورپ میں رہنے والے مسلمانوں کی ذمہ داری تو بہت نازک ہے، ان میں سے ہرایک کو اسلام کا چلتا پھرتا نمونہ اور مبلغ بننا چاہئے نہ کہ خود یورپی تہذیب میں ضم ہوکر اپنی حیثیت بھی ختم کردی جائے۔ افسوس کہ یہ برائی ہمارے ملک میں بھی بہت تیزی سے پھیل رہی ہے۔ افراد خانہ اور بیوی بچوں کے اخلاق اور نفسیات پر اس کے جو قبیح اثرات پڑتے ہیں پوری قوم اس سے غفلت برتتی ہے —— نتیجہ عام خرابی اور وسیع بربادی کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ مگر اس وقت تدارک انتہائی مشکل ہوگا۔

منجانب

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ

قارئین کے خطوط

ایڈیٹر کے نام

افکار و تاثرات

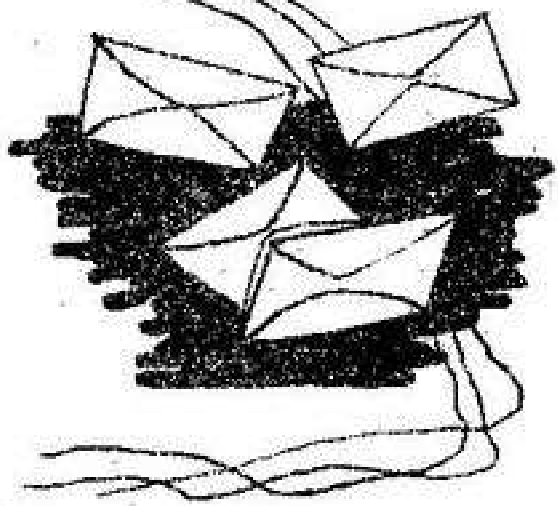

- ماہرین فلکیات اور علماء متوجہ ہوں
- اسلامی معاشی نظام
- قصیدہ رضوانی
- تعزیت اور جواب تعزیت
- حدیث کا ماخذ

علماء دین اور ماہرین فلکیات توجہ فرمائیں

مفتیان کرام اور ماہرین علم ہیئت کے غور و فکر کیلئے ایک سوال درج ذیل ہے، امید ہے کہ متعلقہ حضرات پہلی فرصت میں اس پر توجہ فرمائیں گے اور اپنی تحقیق سے مطلع فرمائیں گے۔

پاکستان اور ہندوستان کی جتنی بھی جنتریاں آج تک بندہ کی نظر سے گذری ہیں، ان سب میں ابتدائے وقت عشاء اور صبح صادق کا حساب لگانے میں آفتاب کو اٹھارہ درجہ افق سے نیچے لیا گیا ہے جسے ایسٹرونومیکل ٹوائیلائٹ کہا جاتا ہے۔ بندہ کے خیال میں یہ حساب غلط ہے، اس لئے کہ قدیم و جدید ماہرین فلکیات سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ ایسٹرونومیکل ٹوائیلائٹ کے وقت مکمل اندھیرا ہوتا ہے۔ جس میں چھوٹے سے چھوٹا ستارہ (پانچ میگنیٹوڈ) بھی نظر آتا ہے۔ اور صبح کاذب بھی اس کے بعد شروع ہوتی ہے اور اہل ہیئت و کتب فقہ نے اسکی تصریح کی ہے کہ صبح صادق اور صبح کاذب میں تین درجات کا فرق ہے۔ نیز کتب ہیئت میں اسکی بھی تصریح ہے کہ غروب کے بعد آفتاب کے پندرہ درجہ قطع کرنے پر شفق ابیض مستطیر ختم ہو کر صبح کاذب کے مقابلہ میں جو شفق ابیض مستطیر پیدا ہوتی ہے وہ آنکھوں سے نظر نہیں آسکتی جس سے ثابت ہوا کہ جب آفتاب کی مدار دائرۃ الارتفاع سے متناسب ہو اس وقت صبح صادق جنتریوں میں دئے ہوئے وقت سے بارہ منٹ بعد میں اور عشاء بارہ منٹ پہلے ہوتی ہے۔ دوسرے حالات میں بارہ منٹ سے

بھی زیادہ فرق ہے۔ چنانچہ کراچی کے مختلف مواسم میں ۱۳ تا ۱۵ منٹ فرق ہے، اور مغربی پاکستان کے دوسرے شہروں میں اس سے بھی زیادہ۔ اس اختلاف کا عبادات پر اثر پڑنا لازمی ہے۔ چنانچہ رمضان المبارک میں شہر کی بہت سی مساجد میں جنتریوں میں دیئے ہوئے وقت سے صرف دس منٹ کے بعد جماعت قائم ہو جاتی ہے، اور اذانیں تو ہمیشہ ہی قبل از وقت ہوتی ہیں۔ مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر میں اسے بہت جلد دارالعلوم کراچی، مدرسہ عربیہ نیو ٹاؤن کراچی اور اشرف المدارس ناظم آباد کراچی کی مشترک مجلس تحقیق میں پیش کرنے والا ہوں، لہذا اگر کوئی صاحب اس بارہ میں مزید معلومات رکھتے ہوں یا انہیں تحقیق مذکور سے اختلاف ہو تو وہ بعجلت ممکنہ راقم الحروف کو مطلع فرما دیں تاکہ علماء کرام کی مجلس میں یہ آراء بھی زیر بحث آسکیں۔

رشید احمد عفی عنہ

مفتی اشرف المدارس ناظم آباد ۔ کراچی

معاشی نظام کا زیر غور خاکہ | اس پُر فتن دور میں ماہنامہ الحق جس جرأت اور بیباکی کے ساتھ ملک وملت کی خدمت انجام دے رہا ہے، شاید ہی کوئی دوسرا مجلہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ اس کو احیائے دین کی کوششوں کیلئے درخشندہ و پائندہ رکھے۔

اس شمارہ میں "ایک اسلامی مملکت کا معاشی نظام" کیلئے جو مسودہ مجلس علماء نے تیار کیا ہے اسے دیکھ کر خوشی ہوئی۔ آپ کے توسط سے جمعیۃ العلماء اسلام کی مجلس علماء کی خدمت میں مجھے دو باتیں عرض کرنی ہیں جو مجھے مضمون کے مطالعہ سے پیش آئی ہیں۔ امید ہے وہ ان پر غور فرما کر بندہ کو مطمئن فرمائے گی۔

۱۔ رہن کے متعلق جو لکھا گیا ہے "کہ اگر مرتہن نے انتفاع بالمرہون کی شرط لگائی ہو۔ یا المعروف کالمشروط کے طور پر اس سے انتفاع کر رہا ہو، وہ رہن فاسد ہے، لہذا زمین مرہون راہن کیطرف بلا توقف لوٹائی جائے گی" تو اب کفایہ شرح ہدایہ کی اس عبارت اما الرهن فلا یفسد بالشرط الفاسد لانہ تبرع کالہبۃ کا کیا معنی لیا جائے گا۔ کفایہ کے الفاظ تو مطلق ہیں، خواہ شرط راہن کی طرف سے ہو یا مرتہن کی طرف سے۔ نیز اگر مرتہن یہ انتفاع راہن کی اجازت سے کر رہا ہو، تو پھر کیا حکم ہے۔؟ حاشیہ شرح وقایہ پر ہے: قال فی المبسوط ولیس للمرتہن ان ینتفع بالمرهون الا باذن الراهن فاذا اذن لہ جاز ان یفعل

ما اذن لہ فیہ ولو جعل من غیر اذن صار ضامنا بحکم الرھن وقالبضا للغصب وان ترک الاستعمال عاد لکونہ رھنا ولو استعملہ المرتھن باذن الراھن فان ھلک حالۃ الانتفاع لم یسقط من الدین شیئ لانہ بالاذن صار مقبوضا بحکم العاریۃ وان خالف وھلک فی حال الاستعمال یضمن ضمان الغصب۔

۲۔ موات زمین کی تشریح ضرور ہونی چاہیئے، کہ آیا اس میں وہ زمین بھی آتی ہے جو کسی ذمی یا مسلم کی مملوک ہونے کے باوجود بہت زمانے سے غیر آباد اور بنجر پڑی ہو، جیسا کہ ہمارے علاقوں میں ہے۔ یا کہ نہیں۔ ظاہر تو اول ہے، حدیث۔ من احیی ارضا میتا فھی لہ۔ نیز حضرت عروہؓ کی روایت جسکو ابو داؤد لایا ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضیٰ ان الارض ارض اللہ والعباد عباد اللہ ومن احیی مواتا فھو احق بہ وفی روایۃ من احاط حائطا علی ارض فھی لہ۔ اس پر مضبوط دلیل ہے اور ان احادیث سے مطلق موات زمین خواہ اس کا مالک ہو یا نہ ہو، ظاہراً معلوم ہوتا ہے اور چونکہ یہ مسئلہ وطن اور عام مسلمانوں کی منفعت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے اسکو عام رکھنا چاہیئے، خواہ موات زمین کا مالک ہو یا نہ ہو، ایک اسلامی حکومت کو حق حاصل ہے کہ وہ ایسی زمینوں کو دوسرے لوگوں کو دیدے کہ وہ ان کو آباد اور قابل کاشت بنائیں۔

محمد رحمت اللہ

منگی نصرت زئی۔ محلہ ابراہیم خیل تحصیل چارسدہ ضلع پشاور

قصیدہ افغانی | مقام حیرت و تعجب کہ شمارہ ماہ صفر میں ایک قصیدہ بعنوان ——— قصیدۃ الرضوانی فی بنی افغانی ——— شائع ہوا ہے، جس میں جاہلی نظریۂ قومیت کا عنصر غالب ہے۔ خداوند قدوس نے انسانی فضیلت کا مدار تمام تر تقویٰ اور اخلاق و فضائل کو قرار دیا ہے، لیکن صاحب قصیدہ نے افغان قوم کی شرافت اور عزت و وجاہت کا سبب شراب نوشی اور قتل و غارت وغیرہ جیسے افعال قبیحہ کو قرار دیا ہے، سوال یہ ہے کہ یہ قصیدہ کسی مسلم افغان قوم کی مدح کے لئے یا کہ کافر افغان قوم کے حق میں ہے؟ اگر ایسا ہے تو ایسی مدح سرائی کیلئے دینی رسائل کے صفحات ناموزوں ہیں، اگر آپ نے بحیثیت افغان ہونے کے اسکو شائع کیا ہے تو یہ قومیت کا جاہلی تصور ہے اور بحیثیت مدیر ہونے کے آپ پر فرض ہے کہ آئندہ شمارہ میں اسلامی نقطہ نظر سے اسکی تردید فرمائیں، نقش آغاز میں آپ کے قلم کی جولانی زندقہ والحاد افزا نظریات کا کامیاب تعاقب اور

سیاستِ وقت پر ایک بے لاگ اور بصیرت افروز تبصرہ ہوتا ہے۔ خدائے قدوس آپ کو اعلاء کلمۃ الحق کی مزید توفیق سے نوازے۔

محمد عبد الحق
تاج گڑھ براستہ رحیم یار خاں

الحق | قصیدہ افغانی محض ادبی حیثیت اور اس خیال سے کہ اس سے کسی قوم کے غلط پندار اور قومی عصبیت پر روشنی پڑتی ہے شائع کیا گیا، اور عنوان کے علاوہ حاشیہ میں بھی وضاحت کردی گئی کہ قصیدہ قومی عصبیت کا غماز اور شاعرانہ مبالغہ آرائی پر مبنی ہے، حرف عربی کیا ہر زبان کا ادب اس قسم کے مواد سے بھرا ہوا ہے جس سے کسی قوم کے خصائل اور خصوصیات پر روشنی پڑتی ہے۔ ہم اسے پڑھتے پڑھاتے ہیں لیکن اس سے مقصود نہ تو تائید ہوتی ہے نہ تردید بلکہ ہمارے نزدیک صفات حمیدہ حمیدہ ہیں اور مذموم مذموم، مدار فضیلت و شرافت صرف ایمان تقویٰ اور مکارم اخلاق ہیں، پھر بھی اگر شرعاً اس قصیدہ کی اشاعت موزوں نہ تھی تو حق تعالیٰ سے عفو اور آئندہ کے لئے راہنمائی کے طالب ہیں ـــــ ہم ہر صحیح تنقید اور مشورہ پر قارئین کے شکر گذار ہونگے۔

ایک صالح مدنی خاتونؒ کی وفات | مولانا قاری محمد امین صاحب جامع عثمانیہ ورکشاپی راولپنڈی کے ذریعہ معلوم ہوا کہ مدینہ طیبہ کی ایک نہایت دیندار صالح مہاجرہ خاتون اہلیہ جناب شیخ محمد اسماعیل صاحب جالندھری کا پچھلے دنوں انتقال ہوا، بقیع مبارک میں تدفین عمر بھر کی تمنا تھی اور حق تعالیٰ نے حضرت عثمانؓ کے جوار میں انہیں جگہ عطا فرمائی شیخ اسماعیل صاحب کا سارا خاندان علم پرور اور دیندار ہے۔ ادارۂ الحق اور دار العلوم اس صدمہ میں تمام لواحقین سے اظہار تعزیت کرتا ہے اور مرحومہ کے رفع درجات کا متمنی ہے۔

تعزیت کا شکریہ | میری والدہ محترمہ اہلیہ شیخ محمد اسماعیل جالندھر مہاجر مدینہ طیبہ کی وفات پر جن احباب اور بزرگوں نے والد بزرگوار کو مدینہ تعزیت کی چٹھیاں لکھی ہیں یا یہاں ہمارے خاندان سے تعزیت کی ہم ان تمام حضرات کے نہایت ممنون ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرماوے

ہمارے والد صاحب کو بوجہ ضعف مدینہ سے فرداً فرداً جواب دینا مشکل ہے ان سطور کو تعزیت کا پیغام تصور فرمائیں۔

عبدالباری ابن الشیخ اسماعیل مہاجر مدینہ

معرفت الحاج حبیب صاحب۔ حبیب برادرز قصہ خوانی پشاور

حدیث کا مأخذ چاہیئے ایک حدیث سنتے آتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ قیامت کے قریب کے زمانے کے نزدیک "مجھے ٹھنڈی ہوا ہندوستان کی جانب سے آرہی ہے" یہ پیشنگوئی پاکستان کے بارہ میں بھی ہوسکتی ہے کہ یہ بھی برصغیر ہی کا ایک حصہ تھا۔ علامہ اقبال جیسے عالم و فاضل نے بھی اپنے شعر ۔۔۔ میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے ۔۔۔ میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔ مجھے مدتوں مدتوں اس کے مأخذ اور حوالہ کی تلاش رہی مگر یہ حدیث کہیں نہیں ملی۔ اگر کوئی عالم فاضل بزرگ مجھے اس کا مآخذ حوالہ بقید جلد و صفحہ بتلا دیں تو تشنگان علم کی تشنگی رفع کرنے کا سامان ہوگا۔ یہ حدیث صحاح ستہ کو چھوڑ کر دیگر کتابوں میں تلاش کی جائے کیونکہ ان کتابوں میں نہیں ہے۔

احسان قریشی

پرنسپل کمرشل کالج سیالکوٹ

اسپین میں ایمان کا بیج میں تقریباً چار سال ہوتے جب یورپ کے پہلے سفر پر گیا تھا تو ایک ہفتہ کیلئے اسپین بھی گیا تھا، میڈرڈ (مجریط) اور ٹولیڈو (طلیطلہ) کے علاوہ جہاں تھوڑے ہی عرصہ اسلامی حکومت رہی ہے۔ اصل قدیم اسلامی مراکز قرطبہ اشبیلیہ اور غرناطہ کی زیارت کی اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت عطا فرمائی کہ غالباً صدیوں کے بعد غرناطہ میں نماز جمعہ کا سلسلہ شروع کرنے کا موقعہ ملا۔ صرف ۶، ۷ آدمیوں جنمیں ہمارے علاوہ عرب طلباء تھے، نماز میں شرکت کی ان سے وعدہ لیا کہ وہ اس کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔ عرصہ تک کوئی خبر نہیں ملی لیکن یہ بیج جو اس بلد طیب میں ڈالا گیا تھا، ضائع نہیں ہوا حال میں اس عزیز کا خط آیا جو ہمارا میزبان تھا۔ "تعمیر حیات" (ندوۃ العلماء) میں اس خط کا ترجمہ شائع ہوا ہے، آپ کی دلچسپی کیلئے تراشہ بھیج رہا ہوں باقی اس سرزمین کی دلآویزی اور وہاں کے پرحسرت تاثرات تو کبھی ملاقات کے وقت ہی سناؤں گا۔"

ایک اقتباس از مکتوب مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ

۲۳/۹/۸۸ ہجری بنام سمیع الحق۔

تعارف کتب

بائبل سے قرآن تک
جلد اوّل

مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی ---- تحقیق و تشریح: مولانا محمد تقی عثمانی۔
ناشر: مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴
صفحات ۶۱۲ ---- قیمت مجلد ۱۵ روپے

برصغیر میں کم و بیش ایک صدی قبل انگریز کی بدولت عیسائیت اور عیسائی مشنریوں کا ایک طوفان امڈ آیا تھا، علماء حق کا جو گروہ اس کی راہ میں آہنی دیوار بن کر کھڑا ہوا، اس کے سرخیل مولانا رحمت اللہ کیرانوی (ف ۱۳۰۸ھ) تھے۔ عیسائیت کی تردید و تعاقب میں انہوں نے اظہار الحق نام سے جو وقیع اور بلند پایہ کتاب لکھی، بلاشبہ اس موضوع پر متقدمین اور متاخرین کی تمام لکھی ہوئی کتابوں میں اسے جو امتیاز حاصل ہوا اوروں کو نہیں ہو سکا، وجہ اسکی مولانا مرحوم کا خلوص، تبحر علمی، وسیع مطالعہ مخالف کے تمام دلائل اور عیسائیت کے اصل مآخذ پر گہری نظر قوت بیان ومناظرہ ژرف نگاہی اور بات سے بات نکالنے کا ملکہ تھا یہ کتاب عیسائی دنیا پر صاعقہ بن کر گری اور یورپ نے واویلا کیا، کہ اگر یہ کتاب دنیا میں پڑھی جاتی رہی تو عیسائیت کا نام بھی مٹ جائے گا، اصل کتاب عربی میں تھی، اب تک دنیا کی چھ زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے مگر اردو کا دامن اس گنج گرانمایہ سے اب تک خالی رہا۔ ایسے موقع پر جبکہ پاکستان میں فکری اور تبلیغی محاذ پر عیسائیت بڑی تیزی سے کام کر رہی ہے، دارالعلوم کراچی نے اس کتاب کے اردو ترجمہ و تشریح کی خدمت انجام دے کر مسلمانوں پر بڑا احسان کیا ہے۔ اصل کتاب تین جلدوں اور چھ ابواب پر پھیلے گی، پیش نظر جلد اوّل کتاب سے متعلق اہم مباحث پر حاوی ایک مقدمہ اور ایک باب پر مشتمل ہے، جس میں بائبل کے درجۂ استناد باہمی اختلافات اور فحش غلطیوں سے بحث کی گئی ہے۔ ترجمہ کی خدمت دارالعلوم کے لائق استاذ مولانا اکبر علی نے انجام دی ہے مگر کتاب کی قدر و قیمت اور ظاہری و معنوی قدر و قیمت کو جس چیز نے بڑھا دیا ہے وہ مولانا محمد تقی عثمانی مدیر البلاغ کا نہایت محققانہ اور جامع مدلل اور مبسوط مقدمہ ہے جس میں موجودہ عیسائیت کی حقیقت اور اس کے

اصل بائبل سے بحث کی گئی ہے۔ مصنف کتاب مولانا کیرانوی کی سوانح اور پوری کتاب کے ذیلی حواشی بھی انہی کے لکھے ہوئے ہیں، ہمارے قابل فخر بھائی محب مکرم مولانا تقی صاحب کو خداوند کریم نے لائق رشک علمی اور تحقیقی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ بائبل سے قرآن تک ان خداداد صلاحیتوں کا ایک جیتا جاگتا پیکر ہے۔ تحقیق و تشریح اور حسن ترتیب کے لحاظ سے اظہار الحق اپنے موجودہ لباس میں یورپ کی اعلیٰ ــــــ ایڈٹ شدہ کتابوں کا سامنا کر سکتی ہے۔ اس وقت اصل ضرورت یہ ہے کہ عیسائیت کے قلع قمع کی خاطر اس کتاب کے مندرجات مضامین اور قابل قدر مواد کو چھوٹے بڑے رسائل اور عام فہم زبان و اسلوب میں عام کر دیا جائے۔ مولانا تقی صاحب کا لکھا ہوا مقدمہ الگ بھی شائع کر دیا جائے، اور اہل علم ارباب فکر کے علاوہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ بھی عیسائیت کی حقیقت سے آگاہی کے لئے بائبل سے قرآن تک کا مطالعہ حرز جان بنائے۔ ہم مولانا تقی عثمانی، ناشرین کتاب اور مترجم کتاب کی خدمت میں اس عظیم الشان خدمت پر تہ دل سے مبارکباد دیتے ہیں، تبلیغی مقاصد کی خاطر کتاب کی قیمت قدرے کم ہونی چاہیئے تھی۔ (سمیع الحق)

سبیل الرشاد

مرتبہ حضرت مولانا حافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور ــــــ ناشر: مکتبہ عثمانیہ واقع جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور ــــــ صفحات ۸۰ ــــــ قیمت ۷۵ پیسے۔

اس کتاب کے مرتب ایک ممتاز اور جید عالم و فاضل مختلف کتابوں کے مصنف و مؤلف ہیں جن کی ذات محتاج تعارف نہیں، ان کی ہر تصنیف ان کی جلالت علمی پر شاہد ہوتی ہے، جس موضوع پر بھی مولانا موصوف نے قلم اٹھایا تو نقلی و عقلی دلائل کا ڈھیر لگا دیا۔ پیش نظر کتاب بھی مولانا محترم کی ان بلند پایہ تصنیفات و تالیفات کی ایک کڑی ہے جو کہ عوام و خواص دونوں میں قبولیت پا چکی ہیں۔ اس کتاب میں تین اہم مباحث یعنی قرات خلف الامام، رفع یدین اور آمین بالجہر کو زیر بحث لایا گیا ہے اور نہایت بسط و شرط سے دلائل کی روشنی میں احناف کے مسلک کو ثابت کیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ مخالفین کے شبہات بھی نقل کر کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ نہ صرف فقہی اور علمی مسائل میں دلچسپی لینے والے طلباء بلکہ علماء کے لئے بھی اس کا مطالعہ مفید ہوگا۔ کتابت و طباعت بھی قابل تحسین ہے۔ (انوار الحق)

سیرت پاک

مؤلفہ بشیر محمد شارق دہلوی
ناشر : کارخانہ تجارت کتب بالمقابل آرام باغ کراچی

صفحات ۲۰۸ ——— قیمت مجلد تین روپیہ

جامع اور وسیع حیات طیبہ کے اہم امور کو فاضل مؤلف نے جس اختصار اور عام فہم انداز میں سمیٹا ہے، قابل ستائش ہے۔ کتاب کے آخر میں چالیس احادیث دی گئی ہیں جو کہ اسلام کی اہم ترین تعلیمات کو گھیرے ہوئے ہیں ——— اس کتاب کا مطالعہ مفید رہے گا کہ حضورؐ کی سیرت سے زندگی کو جلا ملتی ہے۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب و عمدہ ہے۔ مختلف خوبیوں کے باوجود قیمت بھی مناسب ہے ——— (انوار الحق)

فقہ الحدیث

مؤلفہ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب مرحوم (سابق محدث دارالعلوم دیوبند)
ناشر : نور محمد کارخانہ کتب آرام باغ کراچی۔

صفحات ۱۱۲ ——— قیمت ۵۰/ روپیہ

مستند احادیث نبویہ سے فقہ کے بعض اہم مسائل کا استخراج کیا گیا ہے۔ کتاب کی ابتداء میں ایمانیات کے بارہ میں اہم امور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسی طرح نماز اور اس کے متعلقات، جمعہ و خطبہ، زکوٰۃ، روزہ اور حج اور دیگر مسائل کو فقہ حنفی کے مطابق نہایت سہل طریقے سے بیان کیا گیا ہے جس پر عام لوگ بھی بآسانی سمجھ سکتے ہیں۔ اہم خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ سوال و جواب کی شکل میں مسائل کو ترتیب دیا گیا ہے۔ مصنف کتاب کا شمار تقویٰ تورع فقاہت اور علوم نبویہؐ میں مہارت کے لحاظ سے اکابر علماء میں ہوتا ہے۔ اس کتابچہ میں اہم فقہی مسائل و جزئیات کی احادیث صحیحہ سے استنباط کرنا ان کے تفقہ اور نکتہ رسی کی دلیل ہے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ مرحوم کی "تعلیم الاسلام" کی طرح یہ کتاب بھی اس قابل ہے کہ ابتدائی اور ثانوی کلاسوں کے لئے نصاب میں شامل کر دی جائے ——— کتابت و طباعت بھی عمدہ ہے ——— (انوار الحق)

اسلامی کیلنڈر مفت ہجری سال رواں کا دو رنگا کیلنڈر جس پر ملک کے نامور خطاط سید انور حسین نفیس رقم کا بے مثال طغریٰ بابت ختم نبوت بھی شائع کیا گیا ہے۔ ڈاک خرچ کے لئے دس پیسے کے ٹکٹ بھیج کر مفت طلب فرمائیں۔ خط لکھنے کے اسلامی پیڈ کا نمونہ بھی مفت طلب کریں۔
محمد رمضان ایجنٹ الحق ——— التعمیم ۱۲۰ خواجہ شہاب الدین مارکیٹ صدر کراچی نمبر ۳

ماہنامہ البلاغ کراچی

آفسٹ کے دلآویز پیرہن میں چھپ رہا ہے

ربیع الثانی کے شمارہ میں

معارف القرآن۔ (حضرت مفتی محمد شفیع صاحب) حضرت معاویہؓ اور خلافت و ملوکیت (محمد تقی عثمانی) قرآن اور مستشرقین (ڈاکٹر صغیر حسن معصومی) سلطان تغلق کا علمی شغف (حفیظ اللہ پھلواری) مولانا ظفر احمد تھانوی اور تحریک پاکستان (احمد سعید ایم اے) اور دیگر مستقل عنوانات و مضامین۔ فی پرچہ ۷۵ پیسے سالانہ ۸/- روپے۔

ماہنامہ البلاغ کراچی ۱۴

پاکستان کا علمی و دینی ممتاز اور مایہ ناز ماہنامہ

بینات کراچی

دینی فتنوں کا تعاقب اور اسلام کی ترجمانی کے لئے پڑھئے

سالانہ چندہ آٹھ روپے

ماہنامہ بینات جامع مسجد نیو ٹاؤن کراچی ۵

تجلیات رحمانی

مشہور دینی شخصیت، بے مثل محدث، خلیفۂ اجل حضرت تھانویؒ سابق صدر مظاہر العلوم، شیخ الحدیث مولانا عبد الرحمان کاملپوریؒ کی سوانح حیات شائع ہوگئی ہے ـــــ حالات زندگی، علمی اور روحانی کمالات، نمایاں صفات معرفت و سلوک اور اصول تربیت سینکڑوں صفحات پر پھیلا ہوا ایک دلآویز تذکرہ ـــــ قیمت دس روپے۔

ناشر قاری سعید الرحمن جامعہ اسلامیہ کشمیر روڈ۔ راولپنڈی صدر

بادِ صبا سے
جانِ صبا تک

بادِ صبا کے لطیف جھونکے ، معصوم پھولوں کی
شگفتگی کا پیغام دیتے ہیں اور جانِ صبا کا
معطر جھاگ حُسن کو نئی تازگی اور دلکشی بخشتا ہے۔

جانِ صبا ٹرانسپیرنٹ حُسن افروز صابن

جمیل سوپ ورکس لمیٹڈ۔ کراچی۔ ڈھاکہ